

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ — وعلی عبدہ المسیح الموعود

ھو الناصر

ارضِ حرم "قادیان" کی ابتدائی تاریخ

اور

قادیان کی بستی کا احیاء اور اسکی عظمت کا دور

یعنی

نئی زمین اور نیا آسمان

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی کی قلم سے

قصبات اور شہروں سے دُور گوشۂ گمنامی میں مستور ایک چھوٹا سا گاؤں بلکہ موضع اور کوردیہ لاہور سے بسترمیل شمال مشرقی گوشہ پہ ضلع گورداسپور تحصیل و تھانہ بٹالہ کی حدود میں واقعہ تھا۔ جیسے قصبات و شہر تو درکنار معمولی دیہات و مواضعات ضلع و تحصیل میں بھی کوئی شہرت یا نمایاں حیثیت حاصل نہ تھی۔ نام اس کا اس زمانہ میں کچھ ایسا غیر معروف و نامعلوم اور دنیا کے کان اس سے ایسے ناآشنا تھے کہ سنہ یا ۱۳۱۱ھ ہجری میں جب عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کا چرچا ہوا۔ تو میرے استفسار پر بتلانے والوں نے جو کچھ بتایا وہ یہ تھا۔ کہ

دُور کہیں رُوس کی سرحد پہ

کوئی گاؤں ہے۔ جہاں کے کسی مولوی صاحب نے ایک انگریز کی موت کی پیشگوئی کی ہے۔

پھر جب سنہ ۱۳۱۲ ہجری کے ماہ جون میں میں کپور تھلہ ہوتا ہوا بٹالہ پہنچا۔ ترڈیہ بابا نانک۔ کلانور۔ بھاگووالہ۔ علیوال۔ لنگروال۔ بھگا ایں۔ سری گوبند پور۔ ہرچووال اور بھام تک کے نام بھی میرے کان میں پڑے۔ مگر قادیان کے نام سے میرے کان آشنا نہ ہوئے۔ گاڑی سے سٹیشن پہ پہنچتے ہی یکہ بان۔ وشِو اور کنڈہ والے کئی گھیرے بیٹھے بھاگتے تھے۔ میں چند گھنٹے منڈی اسٹیشن اور کچہری کے آس پاس پھرا گیا۔ مگر قادیان کا نام میں نے نہ سنا۔

دوبارہ جب اللہ کریم نے سیالکوٹ میں میری دستگیری کے سامان مہیا فرمائے۔ قادیان کا نام میں نے کتابوں میں پڑھا۔ انوار الاسلام اور نشان آسمانی کا مطالعہ نصیب ہوا۔ نور ایمان کی شعاعوں سے میرے دل و دماغ کو منور کیا۔ اور میری خواہش

اظہارِ اسلام

پر محترم بزرگ حضرت میر حامد شاہ صاحب نے مجھے قادیان پہنچنے اس شرف سے مشرف اور سعادت سے بہرہ ور ہونے کا مشورہ دیا۔ اور میں بٹالہ اتر کر قادیان پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آپ شاید تعجب کرینگے

اور میرے بیان کو مبالغہ سمجھیں گے۔ کہ مجھے اس وقت بھی بہت مشکلات کا سامنا ہوا۔ میں لوگوں سے قادیان کا راستہ پوچھتا وہ میرے منہ کو تکتے اور سوچ بچار کر کہتے۔ کہ

کادیں تو ایک گاؤں ہے

تم جو نام لیتے ہو۔ وہ اس نواح میں تو ہے نہیں۔ تھانہ سے پوچھو شاید پتہ لگ جائے۔

نو بجے غالباً ٹرین بٹالہ پہنچی۔ بارہ بج گئے۔ مجھے قادیان کا پتہ ملا نہ راستہ۔ حتیٰ کہ میں گھبرا کر واپس لوٹ جانے کی فکر کرنے لگا۔ اسی کشمکش و پیچ میں تھا۔ کہ ایک شخص میرے قریب آکر بولا۔

جی آپ نے قادیان جانا ہے؟

میں افسردہ و پژمردہ ہو رہا تھا۔ اور پریشان تھا کہ کروں تو کیا؟ اس شخص کی آواز سے ڈھارس بندھی اور امید کی ایک جھلک نظر آئی۔ میں نے اس سے قادیان کا آنا پتا دریافت کیا۔ تو اس نے جواب دیا۔

وہی نا۔ مرزا صاحب والی قادیان

گنوار لوگ اس کو کادیں، کاڈیں کر کے پکارتے ہیں۔ میں خود قادیان کا رہنے والا ہوں۔ مرزا صاحب گاؤں کے رئیس اور مالک ہیں۔ میں آپ کو ان کے دروازہ پہ جا اتار دوں گا۔

اس تسلی کے بعد میں اس کے یکہ میں جا بیٹھا۔ اور وہ مجھے یہ کہکر بازار کو گیا۔ کہ

گھوڑے کے واسطے نہاری لے آؤں

مگر کچھ ایسا گیا۔ کہ لوٹنے کا نام ہی نہ لیا۔ کم و بیش ایک گھنٹہ میں اس یکہ میں ٹنگا رہا۔ نہ اس کو چھوڑ سکوں نہ یکہ بان کی تلاش کر سکوں۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں نے سیالکوٹ سے روانگی میں اسی غرض سے جلدی کی تھی۔ کہ جمعہ کی نماز میں شریک ہو کر اس برکت سے حصہ پا سکوں گا۔ مگر یکہ بان کی طمع نے مجھے نماز جمعہ میں شرکت کی برکت سے محروم رکھا۔ کیونکہ وہ دراصل

نہاری کی بجائے سواری

کی تلاش میں تھا۔

قصہ کوتاہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے قادیان پہنچا۔ وہ زمانہ سنہ ۱۳۱۲ ہجری کا تھا۔ میں نے قادیان کو جس حالت میں دیکھا۔ وہ نظارہ اپنا چشم دید لکھنے کی کوشش کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

"قادیان" آتے ہوئے سڑک کے موڑ کے قریب پہنچ کر یکہ بان نے اشارہ سے بتایا۔

وہ ہے قادیان

میری پہلی نظر مسجد اقصیٰ کے خوبصورت گنبدوں اور کونوں کے مناروں پر پڑی۔ جن میں خدا جانے کیا تاثیر۔ جذب اور کشش تھی۔ کہ میرا دل ایک

سکینت۔ تسلی اور اطمینان

سے بھر گیا۔ اور ساری کوفت اور گھبراہٹ و بے قراری جاتی رہی۔ دل ایک تیز پرواز کی تمنا کرنے لگا۔ کہ میسر آجائے تو اُڑ کر پہنچوں۔ قادیان پہنچکر بڑی لمبی چوڑی فصیل پہ نظر پڑی۔ تو اس کے پہلے وقتوں کے عروج و اقبال اور عظمت و شوکت کی خیالی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ کیونکہ آثار و علامات اس امر کی دلیل تھے۔ کہ یہ مقام کبھی

بھاری قلعہ اور ایک مضبوط حصار

ہوا کرتا ہو گا جس میں رہتے رہتے جو اچھی طرح دیکھا۔ تو یہ دیکھا۔ کہ بستی ایک فصیل کے اندر محدود تھی۔ جو جا بجا شکستہ و خستہ تھی۔ چوڑائی اس کی تیس پینتیس فٹ اور اونچائی بوجہ گر جانے کے پوری معلوم نہ ہو سکی۔ جو دیکھی وہ بعض جگہ سے آٹھ دس فٹ ضرور تھی۔

آثار۔۔۔ اس فصیل کے سوائے شمال مغربی کونہ کے چاروں اطراف میں نمایاں تھے۔ میں نے جو سرسری سا تخمینہ اس فصیل در بستی کا کیا۔ اس کے نتیجہ میں یہ لکھ سکتا ہوں۔ کہ فصیل تقریباً مستطیل شکل میں واقعہ تھی۔ جس کا طول بیرونی حدود تک کم و بیش گیارہ سو اور عرض نو سو فیٹ تھا۔ فصیل کے اندرونی جانب تخمیناً اٹھارہ بیس فٹ چوڑا ایک کوچہ گول سڑک کے طریق پر برابر چاروں طرف چھوڑا ہوا تھا۔ جو آج کل دائیں بائیں کی دست برد کا شکار ہو کر آٹھ اس۔ بارہ اور چودہ فٹ رہ گیا ہے۔ بلکہ بعض حصوں میں تو بالکل غائب اور ختم ہو چکا ہے۔ اس گول سڑک کے اندر اندر ہی اس زمانہ میں آبادی تھی۔ فصیل اور گول سڑک کو چھوڑ کر اصلی زیر آبادی حصہ کی پیمائش تخمیناً ایک ہزار فٹ طویل اور آٹھ سو فٹ عریض تھی۔

فصیل کے چاروں کونوں پر چار برج اور چار ہی اس میں دروازے تھے۔ یعنی پہاڑی دروازہ۔ بٹالوی دروازہ۔ ننگلی دروازہ اور سوری دروازہ۔ فصیل کے باہر بڑے بڑے اور پرانے بوٹوں کا گویا ایک گھنا جنگل کھڑا تھا۔ جہاں دن دہاڑے خوف آتا۔ رات کے اندھیرے میں تو کم ہی کوئی فصیل سے باہر نکلتا ہوگا۔ اس خار مغیلاں کے دشت سخت کے بالکل ساتھ لگی ہوئی ایک **کھائی یا خندق** تھی۔ جو چاروں طرف عموماً سال بھر پانی سے بھرپور رہتی۔ کئی کئی میل دور سے برسات کا پانی اس نشیب میں آن جمع ہوا کرتا تھا۔ اور گویا ایک قدرتی امداد اور غیبی تائید تھی اس قلعہ کی حفاظت کی۔ جو اسے قدرت کی فیاضی سے مفت میں میسر تھی۔ قصبہ کی رونق۔ شادابی اور خوبصورتی کے لئے قصبہ سے باہر کئی باغات تھے۔ جو چاروں طرف دور دور تک پھیلے ہوئے بہت بڑے رقبہ میں لگائے اور سجائے گئے تھے۔ جن کے اثمار شیریں اور معطر و مصفا ہوا سے حاکم و محکوم برابر فائدہ اٹھایا کرے۔

اس مرکز کی حفاظت و مضبوطی کے لئے چاروں اطراف وقتی ضروریات کے مدنظر مناسب مقامات پر دور و نزدیک ایک اور **معاون و حفاظتی** قلعوں کی لائین تھی۔ جن میں سے **لسرا کھارا۔ ٹھیکری والا۔ رسول۔ وڈالہ۔ کنڈیلا** اور **ڈھپئی** کے قلعوں کے آثار تو آج تک بھی واضح اور عیاں موجود ہیں۔ اور بعض زمانہ کی دست برد کی نذر ہو چکے ہیں۔ اس قلعہ بندی اور حفاظت و تنظیم پر نظر غائر ڈالنے سے مرکز کی مضبوطی شان و شوکت اور زیر نگیں ریاست کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز اس عالی ہمت اولوالعزم اور اقبال مند خاندان کے حسن تدبیر۔ انتظامی قابلیت۔ قوت عمل اور علو ہمتی کو جانچا جا سکتا ہے۔ جس نے ہزاروں میل سے آکر ان

جنگلوں میں منگل

کر دیا۔ اور ایک مستقل ریاست کی بنیاد رکھی۔ جس کے خود مختار رئیس ایک ایسے خوش نصیب اور قابل رشک فارسی النسل وجود کی یادگار تھے۔ جس کی قلبی کیفیت خالق ارض و سما کے حضور پہنچ کر قبول ہوئی۔ خدا نے اس کے کسی عمل۔ اس کی کسی ادا کو پسند فرمایا۔ اور دنیا کے عظیم ترین اور مقدس ترین خدا کے مقبول رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے محبت کی اور اس کو اپنے دست شفقت سے نوازا۔ بالکل سچ۔ صحیح اور درست وحق ہے

مصفیٰ قطرۂ باید کہ تا گوہر شود پیدا

خدا کے انبیاء و مرسل نجیب الطرفین اور عالی خاندان ہوا کرتے ہیں۔ تا ان کی بیعت۔ اطاعت اور غلامی کو عار اور ذلت و توہین سمجھ کر لوگ ہدایت اور دولت ایمان سے محروم نہ رہ جائیں۔

حکمران خاندان کی جوانمردی۔ اولوالعزمی۔ بیدار مغزی۔ ہمت و استقلال اور فہم و ذکا کے ساتھ ان کی فیاضی۔ نیکی اور عدل و انصاف کا ایسا چرچا تھا۔ کہ دور دراز سے حق و صداقت کے پیاسے اور اکثر اہل اللہ ان کی صحبت کے فیض سے مشرف ہونے کو جمع رہتے۔ یہاں تک کہ ان کے دسترخوان پر پانچ پانچ سو علماء۔ فضلاء۔ حفاظ اور صلحاء کا مجمع رہتا۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے اقوال و اعمال کے تذکرے رہتے۔ اور دین داری و پرہیزگاری کا یہ عالم تھا۔ کہ کوئی بھی ان میں تارک نماز نہ تھا۔ حتیٰ کہ پنہاریاں تک تہجد گذار تھیں۔ الغرض اس بے دینی و جہالت کے زمانہ میں یہ مقام علم و فضل اور نیک و پاک مقاصد کا مرکز تھا۔ طوائف الملوکی اور ضعف و ادبار کے زمانہ اور تنگی و مشکلات کے ایام میں بھی ان لوگوں نے فیاضی اور عطاء و سخا کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو کئی گاؤں بطور مروت دے دیئے۔ اور اس طرح عسر کی حالت میں بھی دل کھول کر شرفاء کی امداد کرتے رہے۔ ایسی ہی باتوں سے اس ظلم و فساد اور فسق و فجور کے زمانہ میں اس بستی کو لوگ **اسلام پور** اور

مکہ کے نام سے

یاد کرنے لگے تھے۔ کیونکہ اس بد امنی اور جھگڑے فساد کے زمانہ میں مسلمانوں کے لئے یہی **قصبہ مبارکہ** پناہ کی جگہ تھی۔ اس کے سوا ہر جگہ کفر اور فسق و فساد اور ظلم نظر آتا تھا۔ قادیان گویا اس زمانہ میں حامیان دین۔ صلحاء۔ علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد لوگوں سے مل کر ایک **باغ** بنا ہوا تھا۔ جس کے اثمار علم و عمل۔ نیکی و تقویٰ اور عدل و انصاف سے آس پاس کے علاقے متمتع ہوا کرتے تھے۔ اور اس کے حکمران اپنے اوصاف و اطوار کے باعث **جہانبانی** کے اہل اور حکمرانی کے مستحق یقین کئے جاتے تھے۔ (ماخوذ از کتاب البریہ)

یہ تو ہوا تصویر کا روشن پہلو اور مسلمان خاندان کی حکومت کے زمانہ کا نقشہ اور فوٹو

اب میں تصویر کا دوسرا رخ بھی پیش کرتا ہوں۔ جو یہ ہے۔ کہ خدا کی باریک در باریک اور نہاں در نہاں حکمتوں اور مصلحتوں کے ماتحت حالات نے پلٹا کھایا۔ سکھوں نے غلبہ پایا۔ اور رام گڑھیا مسل کے سکھ فریب سے قلعہ میں داخل ہو کر قابض ہو گئے۔ قادیان کی دولت و ثروت اور اقتدار و حکومت کے زوال کے ساتھ ہی امن برباد۔ علم مفقود اور نیکی و نیکوکاری معدوم ہو کر فساد و جہالت اور بدی و بدکاری نیز فسق و فجور کا دور دورہ ہو گیا۔ ذی عزت۔ شریف اور امن پسند لوگ رام گڑھیوں کے آتے ہی خوف و ہراس کے مارے قصبہ کو چھوڑ عزت و آبرو لے کر خالی ہاتھ بھاگ گئے۔ اس تباہی و بربادی کا مختصر سا نقشہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔ جو یہ ہے کہ :۔

"اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی۔ اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے۔ اور ان کی مال و متاع لوٹی گئی۔ کئی **مسجدیں** اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے۔ اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدوں کو جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا۔ جس میں **پانسو نسخہ قرآن شریف کا** قلمی تھا۔ جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزیں ہوئے"

(کتاب البریہ)

قضاء و قدر کی نیرنگی اور زمانہ کی گردش نے گویا اس فارسی النسل خاندان کو پشتوں کی حکومت اور ریاست سے ایسا محروم کیا۔ کہ خالی ہاتھ یہاں سے نکل گئے۔ اور جو کچھ بنایا تھا۔ یہیں چھوڑ گئے۔ آنے والے لوگوں نے آتے ہی جو کچھ کیا۔ اس کا خلاصہ آپ نے پڑھ لیا۔ بعد میں جو کچھ ہوا۔ اس کا اندازہ قادیان کی حالت سے کر لیں۔ جو میں نے بچشم خود دیکھی۔ اور وہ یہ تھی :۔

جدھر نظر اٹھاؤ ویرانہ و کھنڈر۔ عمارات برباد اور مکانات مسمار۔ بیچ بیچ اکثر منفعل و بے چراغ۔ خال خال کوئی آباد۔ اور جو آباد بھی تھے۔ ان پر بھی ایک قسم کی اداسی برستی دکھائی دیا کرتی تھی۔ جیسے کسی

اجڑے دیار کا سوگ

منا رہے ہوں۔ میرا اپنا اندازہ یہ ہے۔ کہ گاؤں کا تین چوتھائی حصہ غیر آباد یا تباہ و برباد پڑا تھا۔ اور بمشکل ایک چوتھائی حصہ آباد۔ جس میں زیادہ سے زیادہ پانچ سو نفوس رہتے ہوں گے۔ بازار دو تھے۔ ایک بڑا بازار کے نام سے موسوم۔ دوسرا چھوٹا بازار مگر دونوں سنسان۔ چھوٹے بازار میں تو شاذ ہی کوئی دکان کھلی اور آدمی نظر آتا۔ سوائے دو **منحوس** اڈوں کے جو دن کی بجائے رات کو زیادہ کھلتے ہوں گے۔ باقی بازار بند اور گرا پڑا تھا۔ بڑے بازار میں چند دوکانات کھلی دکھائی دیا کرتی تھیں۔ مگر کاروبار ان کا بھی دیکھنے میں کوئی نہ آتا۔ خالی دوکانوں پر نکمے بت بیٹھے ہوا کرتے یا دفع الوقتی کے لئے گھروں کی وحشت سے گھبرا کر بازار میں آجایا کرتے۔ جہاں آنے جانے والوں کی شکل و صورت دیکھ لیتے یا پاسہ چوپٹ اور شطرنج وغیرہ کھیل کر دن گذار لیا کرتے یا بعض اس ٹٹی کی آڑ میں فلاکت زدہ کسانوں اور مزدوری پیشہ محتاجوں کا خون چوسنے اور پیٹ کاٹنے کی غرض سے سودی لین دین کر لیا کرتے۔ بازار محض نام کو تھا۔ کام کوئی تھا نہ ہنر اور پیشہ۔ تین دکاندار تھے۔ جو اس ویران بستی کی نوبہت کہلاتے۔ ایک بزاز دوسرا عطار۔ تیسرا حلوائی۔ ایک مسلمان اور دو ہندو۔ اور ان تینوں کی آبادی بھی صرف اس ایک گھرانے کی بدولت تھی۔ جس کو خدا نے پھر سے

نئی زمین اور نیا آسمان

بنانے کے لئے چن لیا تھا۔ عطار کا کام سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندانی کمال فن طب اور فیض کا رہین منت تھا۔ یا حضرت نور الدین اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مطب اور مریضوں کی وجہ سے۔ اور حلوائی کا مہمانوں اور بیماروں کی آمد و رفت کے باعث اور لالہ سکھرام صاحب بزاز کی بکری بھی محض اسی گھرانے کے طفیل تھی۔ جو عموماً یتامیٰ و بیگان اور غرباء کی ضروریات کے لئے خرید کیا

کرتے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ یہ کوئی دوکانیں تھیں۔ حلوائی کی ایک دوکان کی تفصیل لکھ دیتا ہوں۔ اس سے دوسری دوکانوں کا بھی قیاس کر لیں۔ چار یا چھ آنہ کا دودھ لے کر یہ لوگ صبح سے رات کے دس گیارہ بجے تک عموماً بیٹھا کرتے۔ دودھ بکتا جتنا بکتا۔ باقی سے کھوا بنا رہتا کبھی دہی۔ وہ بھی نہ بکتا تو رات کو بھلے پکوڑیاں تیار ہوتیں۔ گاہک کوئی آ گیا تو خیر ورنہ وہ بھی

گھر کی مرغی دال برابر

چار و ناچار یوں چکا دی جاتیں۔ یہی حال بتاشے مٹھائیوں کا ہوا کرتا۔

الغرض بازار نام کو تو تھے۔ دو مگر کام کی کوئی چیز۔ یا ضرورت کا کوئی سامان قطعاً میسر نہ آ سکتا تھا۔ بالکل معمولی معمولی ضروریات زندگی کے لئے بٹالہ۔ امرتسر اور لاہور جانا ہوتا تھا اور نو دو گنا زمینداری ضروریات مثل بیج بنولے تک لوگ بٹالہ سے سروں پر اٹھا کر لایا کرتے۔ علاقہ کی پیداوار بھی بمشکل فصل کے ایام میں مل سکتی تھی سب بنئے مہاجن اور ساہوکار شہروں کو لے جاتے۔ تو چند ہی روز بعد پھر بیچارے کسانوں اور مزدوروں بلکہ ہر طبقہ کے لوگوں کو شہروں سے جا کر لانی پڑتی تھیں گوشت اور سبزی کا بھی یہی حال تھا۔ قصاب دوسرے تیسرے روز بکرا کرتے۔ وہ بھی نہ بکتا تو دیہات میں لے جا کر قرض دام یا غلہ نکلنے کے وعدہ پر ادھار دے آتے۔ گوشت ایسا خراب ہوا کرتا۔ کہ دیکھنے کو جی نہ چاہتا۔ قصابوں کی بڑی جائداد کالی بھیڑیں ہوا کرتی تھیں۔ بکرا شاذ و نادر۔

بیکاری عام تھی

کیونکہ کام کے لوگ اپنی عزت و آبرو بچانے کی غرض سے بستی کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ پیچھے بے کار یا بدقماش رہ گئے تھے۔ یا سست اور کاہل۔ کام کے لوگ نکل گئے۔ تو نکمے پڑے رہے۔ جس کے نتیجہ میں مختلف قسم کی عادات قبیحہ اور افعال شنیعہ میں لوگ مبتلا تھے۔ قمار بازی کا بازار گرم رہتا۔ جس کے کئی اڈے قائم تھے۔ گرد و نواح کے بدقماش اور آوارہ لوگ آتے۔ پولیس چھاپے مارتی۔ لوگ دیوالیہ و کنگال ہوا کرتے تھے۔ رونق ہوا کرتی ٹھیکہ کی دوکانوں پر ام الخبائث کا ٹھیکہ موجود۔ بھنگ۔ چرس۔ گانجا کے دم لگا کرتے۔ اور چنڈو کا استعمال ہوتا۔ افیون اور دھتورہ کا استعمال بھی عام تھا۔ حقہ نوشی اور میکشی و میفروشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور ان کے نتائج تلخ بھی لوگوں کو چکھنے پڑا کرتے تھے۔

صفائی کا یہ حال تھا۔ کہ جا بجا کوڑا کرکٹ اور نجاست کے تودے۔ گوبر اور گندگی کے انبار لگے رہا کرتے۔ جن کی وجہ سے ہر گھر سنڈاس اور کوچہ و گلی گندے نالے کا منظر پیش کرتے کوچوں کا یہ حال تھا۔ کہ دن کی روشنی میں بھی دشوار گذار تھے ٹیڑھے بڑے کنگر گلی کوچوں کو ناہموار اور ناقابل عبور بنائے ہوئے تھے۔ گندہ پانی اور مویشیوں کا بول و براز کراہت تعفن اور عفونت پیدا کرتے۔ کہ دماغ سڑا کرتا تھا۔

بعض میلے بھی ہوا کرتے۔ جن میں جاہلیت کے کمالات اور ہنر و جوہروں کا ایسا مظاہرہ ہوتا۔ کہ شرافت تو درکنار انسانیت بھی سر پیٹ لیتی اور مارے ندامت و شرمندگی کے

پانی نکر یہ نکلتی

[illegible]

کے پاس لگا کرتا۔ ایک رات اور دن لوگ دُور دُور سے آ کر اکٹھے ہوتے رات کو آتے ہوئے مرد اور عورتوں کی ٹولیاں گند بکتیں۔ اور جس طرح گندے گیت گاتیں۔ اُن کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں بستی کے گلی کوچوں میں رات بھر وہ اودھم مچا کرتا۔ کہ الامان الحفیظ۔ لڑائی۔ دنگہ اور فساد جو عموماً چھیڑ خوانی کے نتیجہ میں ہوا کرتا۔ سر پھٹول اور پکڑ دھکڑ پر منتج ہوا کرتا تھا۔

عرب جاہلیت

کے میلے جہالت اور بدتہذیبی کے لئے ضرب المثل سنے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ میلے ہر رنگ میں ان پر سبقت لے جایا کرتے تھے۔ کیونکہ ان میلوں کا اکثر حصہ علم اور ادب۔ فصاحت اور بلاغت کے لئے وقف ہوا کرتا۔ جوا بھی کھیلا جاتا۔ تو اس کی تہ میں غریب نوازی اور خدمت خلق کا جذبہ پنہاں ہوا کرتا تھا۔ یا اخراجات جنگ کی فراہمی مدنظر ہوا کرتی۔ مگر یہاں سر تا پا گالی گلوچ۔ گند اور ہزلیات و بکواس حیا سوز حرکات اور غیرت کش افعال جس پر طرفہ قمار بازی اور فتنہ و فسا۔ **خدا کی پناہ**

میں جس زمانہ کے چشمدید واقعات بیان کر رہا ہوں۔ وہ ۱۳۱۲ھ ہجری یا ۱۸۹۵ء کا زمانہ ہے۔ جبکہ یہ بستی خدا کے الہام اور کلام کے نزول اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد کا زمانہ ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ بستی

قادیان کی مقدس بستی

بن چکی تھی۔ نیک دل اور شریف تعلیم یافتہ لوگوں کا مرجع اور خداشناسی کا مرکز ہونے کی وجہ سے ترقی کی راہوں پر گامزن تھی اور بہت کچھ اصلاح بھی عمل میں آ چکی تھی۔ باوجود اس کے ان حالات کی موجودگی بستی کی کچھ ہی عرصہ پہلے کی حالت ابتر کی مظہر ہے۔ کہ نوبت کہاں تک پہنچی ہو گی۔

گیدڑ۔ لومڑ اور بڑے بڑے جنگلی بلے تو سر شام ہی غلاظت اور سنڈاس کے ڈھیروں پر ڈنڈ لائے لگا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض درندے اور وحوش رات کی تاریکی میں آتے اور بھیڑ بکری۔ مرغی۔ بلیوں تک کو اٹھا لے جاتے۔ احمدیہ چوک کے شمال مشرقی کونہ کی دوکان جس میں آج کل شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی بیٹھتے ہیں۔ کسی وقت حضرت نواب صاحب قبلہ کا باورچی خانہ تھا۔ جس کے آگے ایک پھاٹک لگا ہوا تھا۔ گوشت چونکہ یہاں عموماً خراب ملا کرتا۔ اور بعض اوقات ضرورت کے وقت مل ہی نہ سکتا تھا۔ لہٰذا حضرت نواب صاحب کے ہاں اس کا انتظام رہتا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ بکرا وہاں بند تھا۔ رات کو ایک بھیڑیا آیا۔ اس نے پھاٹک کا ایک تختہ توڑا۔ اور بکرا اٹھا کر لے گیا۔

اس سے بھی بڑھکر

ایک اور چشمدید واقعہ سناتا ہوں۔ ایک روز دن دہاڑے ایک لمبے دانتوں والا جنگلی خنزیر شرقی ڈھاب میں . . . .

. . . . پانی پی اور نہا کر شکستہ فصیل کی راہ سے جہاں آج کل حضرت عرفانی صاحب کا مکان اور دفتر الحکم ہے بستی میں داخل ہوا۔ اور سیدھا ایک شخص مسمی دمنتو کے گھر میں جا گھسا۔ جہاں اس کی بیوی بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔ عورت اس بدصورت خونخوار بلا کو دیکھ کر گھبرائی۔ گھبراہٹ میں اور کچھ نہ بن پڑا۔ تو ہاتھ سے دھتکارنے لگی۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر چبا لیا۔ اور پھر تو دھوکے سے غائب ہو کر گاؤں کے گلی کوچوں ہی سے

ہوتا ہوا بستی کے غربی جانب سے نکل کر گنّے کے کھیتوں میں جا گھسا۔ بعد آخر شکاری کتوں اور شکاریوں کا شکار ہو کر اسی جرأت کی پاداش کو پہنچا۔ بھیڑیا جسے پنجابی میں بگھیاڑ کہتے ہیں۔ اس کثرت سے ہو گیا تھا۔ کہ موجودہ سٹیشن اور بستی کے درمیان ایک جوہڑ کا نام ہی

بگھیاڑاں والا چھپّڑ

مشہور تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ گاؤں کے باہر بعض حصے ویرانی و بربادی کے باعث اتنے بھیانک اور ڈراؤنے ہو چکے تھے کہ بھوت چڑیل کا مرکز کہلاتے۔ جہاں دن دہاڑے لوگ جانے سے گھبرایا کرتے تھے۔ اس طرح گویا یہ بستی جو ایک قوم کے ذریعہ جنگل سے منگل بنی تھی۔ دوسری قوم کے ذریعہ پھر تنزل کر کے

منگل سے جنگل

آباد سے ویران اور علم و فضل۔ ہنر و حکمت اور نیکی و تقویٰ کی بجائے جہالت اور رذالت۔ بیکاری و بطالت۔ اور بدی و بدکرداری کا مرکز ہو چکی تھی۔ جہاں علم رہا نہ دولت۔ تجارت رہی نہ حرفت۔ زراعت رہی نہ حکمت۔ غفلت و سستی۔ بیکاری و بیماری اور بدی و بدکاری کا دور دورہ اور جہالت و ضلالت کا عمل تسلط تھا۔ جنگلی جانوروں اور درندوں کی وجہ سے کھیتیاں برباد ہوا کرتیں۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ شکاری لوگ اور شکاری کتے اُن دنوں قادیان میں کثرت اور عزت سے پالے اور رکھے جاتے تھے۔

بات لمبی ہوئی جاتی ہے۔ مگر بے کچھ تسلی ہوتی ہے کہ حقیقت کھلتی ہے۔ لہٰذا نہایت ہی اختصار سے اشارات پر اکتفا کرتے ہوئے کچھ عرض کرتا ہوں۔ سب سے پہلی مشکل اس بستی کی گمنامی کی وجہ سے اس کی تلاش کی تھی۔ تو دوسرا بڑا بھاری مرحلہ قادیان پہنچنے کا تھا۔ ذرائع آمد و رفت کا اتنا فقدان تھا۔ کہ سواری کا میسر آنا ہی مشکل ہو جایا کرتا۔ سواری آ جاتی اس زمانہ میں۔ ریڑھ بیل گاڑی اور گڈا۔ زیادہ سے زیادہ

دقیانوسی یکّا

ہوا کرتا تھا۔ جس کی وضع قطع اور شکل و بناوٹ اس امر کی مقتضی ہوا کرتی تھی۔ کہ اسے یکّا کی بجائے شیطانی چرخا کے نام سے پکارا جائے۔ اور حقیقت بھی اس سواری کی اسی نام سے پوری طرح واضح ہوتی ہے۔ چلنے میں دھکوں کا لگنا حتیٰ کہ پسلیاں دُکھ جایا کرتیں۔ پیٹ میں درد اٹھنے لگتا۔ اور جسم ایسا ہو جاتا کہ کسی نے اوکھلی میں دیکر کوٹ دیا ہو۔ اس کا چلتے چلتے منہ کے بل ہو جانا۔ الٹ جانا۔ سواریاں نیچے چرخا اوپر۔ یہ باتیں طالب یکّا کے لکھنے سے کیسے معلوم ہو سکتی ہیں۔

یکّہ مل جانے کے بعد دوسری مشکل یہ ہوا کرتی کہ یکہ بان غائب۔ وہ بہاری لینے چلا جایا کرتا اور جب تک کئی سواریاں ہاتھ نہ آ جاتیں نہ اس کی بہاری تیار نہ ہو سکتی۔ اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت یکہ بان کے انتظار یا تلاش میں ضائع ہو جایا کرتا۔ سڑک کی کیفیت لکھنے کی تو ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کی تفصیل خود خداوند عالم الغیب نے

میج عمیق

[illegible]

نہ ہوا کرتا تھا۔ غلہ وغیرہ اجناس تمام گڈوں کے ذریعہ بٹالہ جایا کرتی تھیں۔ جس کی وجہ سے سڑک نہایت خستہ۔ ناہموار۔ اور خراب تھی یکہ کی ہیئت ترکیبی کچھ ایسی تھی۔ کہ اچھے سے اچھا موٹا تازہ اور نو بنو گھوڑا یکے میں لگنے کے چند ہی روز میں دبلا پتلا اور ایسا مریل ہو جایا کرتا۔ کہ دیکھنے والوں کے دل رحم سے بھر جاتے۔ راستہ کا اکثر حصہ سواریاں پیدل چلکر پہنچتیں۔ اور برسات کے موسم میں تو خدا کی پناہ بعض اوقات پورا پورا دن چلنے سے بھی قادیان نہ پہنچ سکتے۔ یکے پھنس جایا کرتے تو ایسی مصیبت ہوا کرتی۔ جو برداشت سے باہر ہو جاتی۔ سامان مزدوروں کے سروں پر اٹھوا کر منگایا جاتا۔ سواریاں پیدل آتیں۔ یکہ بان مجبور ہو کر گھوڑا کھول کرے آتا۔

یکہ سڑک میں کھڑا

رہتا۔ اس کیفیت کی اگر تفصیل کروں۔ تو پوری ایک کتاب بن جائے۔ قادیان کی بستی نشیب میں واقع ہے۔ برسات کیوجہ سے چاروں اطراف سے پانی کا سیلاب آیا کرتا۔ جس سے گاؤں کے گرد کی ڈھابیں۔ کھائیاں اور خندقیں بھر جایا کرتیں۔ اور اور نالہ کا پانی ڈیڑھ میل تک تقریباً بٹالہ قادیان کی سڑک میں سے ہی گذرا کرتا۔ جو بعض اوقات اتنا گہرا۔ تیز اور زور سے چلتا کہ اس میں سے سلامت گذر جانا ہر کسی کا کام نہ تھا۔ گاؤں صحیح معنوں میں ایک جزیرہ ہو جایا کرتا۔ دیہات و مضافات سے آنے والے اور مسافر کیا عورت کیا مرد کپڑے اتار۔ برہنہ ہو کر گاؤں میں پہنچا کرتے۔ اور یہ منظر نہایت ہی ناگوار اور غیرت کش ہوا کرتا تھا۔

اس زمانہ میں جائیداد کی کوئی قیمت تھی نہ قدر۔ زمین و مکان کوڑیوں کے مول بکتے۔ کوئی خریدار تھا نہ گاہک۔ چنانچہ قلعہ کی فصیل جو گورنمنٹ برطانیہ کی ملکیت قرار پا چکی تھی۔ اور کاغذات سرکاری میں نزولی رقبہ کہلاتا تھا۔ جب حکومت نے نیلام کرنا چاہی۔ تو کئی مرتبہ ناکامی ہوئی اور نیلام کنندہ حکام ناکام واپس چلے گئے۔ کیونکہ کوئی اس کے خریدنے کو تیار نہ ہوتا۔ آخر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ابتدائی زمانہ میں آخری مرتبہ نیلام ہوا۔ اور فصیل کی زمین

مفت کے برابر

بر سے نام قیمت پر لوگوں کے گلے منڈھ دی گئی۔ مرزا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارندہ تھے۔ انہوں نے بھی خاندانی مکانات کے سامنے کی زمین کی بولی دیکر بہت ارزاں خرید لی۔ مرحوم بیان کیا کرتے تھے۔ کہ میں خوشی خوشی حضرت کے حضور گیا۔ اور اپنی طرف سے بطور خوشخبری یہ خبر سنائی۔ مگر حضرت نے فرمایا:۔

"اسمٰعیل ہم نے یہ زمین کیا کر لی ہے۔ آپ نے
بے پوچھے کیوں خرید لی؟ ہمارے کس کام کی ہے
اور ہمارے پاس تو روپیہ بھی نہیں"

مرزا اسمٰعیل صاحب بیان کیا کرتے تھے۔ کہ میں بولی دے چکا تھا۔ انکار ہو سکتا تھا نہ واپس کی جا سکتی تھی۔ اور نہ ہی کوئی دوسرے خریدنے کو تیار تھا۔ مجبوراً میں نے قرض دام کر کے [illegible] حضرت کو میرے اس فعل کا علم ہوا۔ [illegible] ایک بار دو بار تیرہ کر کے مجھے ادا کر دی۔ [illegible] کی اہم ضروریات میں کام آئی۔ میسرا

اندازہ ہے۔ کہ اگر آج یہ زمین خریدنی پڑتی۔ تو موقعہ کے لحاظ سے کم از کم سو گنا زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی۔

تعلیم کا یہ حال تھا۔ کہ اس خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والوں کو الگ کر کے بمشکل ایک یا نہ زیادہ سے زیادہ دو فیصدی معمولی نوشت و خواند کے آدمی مل سکتے ہوں گے۔ صرف ایک بالکل ہی چھوٹا سا

دیہاتی پرائمری سکول

تھا۔ جو ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے چلایا جا رہا تھا۔ دوسرا کوئی مکتب تھا نہ مدرسہ۔ اسی سکول کے ایک ماسٹر کو دو چار روپیہ الاؤنس دیکر ڈاکخانہ کا انچارج یا برانچ پوسٹ ماسٹر بنا دیا جایا کرتا۔ جو صبح و شام ایک گھنٹہ ڈاک کی آمد اور روانگی نیز دیگر کاموں کے لئے دیا کرتا۔ ڈاک بٹالہ سے ایک ہرکارہ کے ذریعہ ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی تھیلی میں آیا کرتی۔ جو تقریباً تمام کی تمام ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضور کے غلاموں کی ہوا کرتی تھی۔ گاؤں میں شاذ ہی کسی کا کوئی خط ہوا کرتا۔ اور اگر کسی کا خط آ بھی جاتا۔ تو اس کو پڑھانے کے لئے اس کو در بدر اور کوبکو پھرنا پڑتا۔

لباس اس علاقہ کے لوگوں کا اتنا مختصر کہ عریانی اور ستر عورت بھی نہ ہوا کرتی۔ نیم برہنہ کہنا گویا لغت میں تصرف کرنا ہو گا۔ کیونکہ حقیقتہً عوام بالکل ننگے اور برہنہ ہوا کرتے تھے۔ چار انگل کی ایک لنگوٹی اُن کا لباس تھا۔ جس کو دیکھکر بعض اوقات

سیدنا حضرت نور الدین اعظم رضؓ

ان سے ایک سوال کیا کرتے۔ مگر تعجب ہے۔ کہ وہ کچھ ایسے بے حس ہو چکے تھے۔ کہ اُن کا جواب اُن کے لباس سے بھی زیادہ مکروہ اور ننگا ہوتا تھا۔ مستورات بالخصوص جن کے نام ہی میں ستر اور پردہ لازم قرار دیا گیا تھا۔ عموماً بے پردہ پھرتیں۔ رات کو سونے میں برہنگی اور ایک نہایت ہی قبیح رسم آدھ ہٹر دھنجا کی لعنت میں مبتلا تھیں۔

زبان اتنی موٹی۔ بھدی اور کرخت تھی۔ کہ کان اس کی برداشت نہ کر سکتے۔ گالی کے بغیر ان کی بات مکمل نہ ہوا کرتی۔ اور کلام میں حلاوت و شیرینی پیدا کرنے کے لئے پھکڑ بازی لازمی تھی۔ بچوں کو بچپن ہی سے اس کا مشاق بنایا جاتا۔ اور گالی گلوچ کی باقاعدہ تعلیم دی جایا کرتی۔ اور جب بچہ اس علم میں طاق ہو کر باپ یا بڑے بوڑھوں کو منہ پر گالی دینے کے امتحان میں کامیاب ہو جاتا۔ تو

واہ وا

کی صدا گونج اُٹھتی۔ اور ہر طرف سے داد ملنے لگتی۔ غرض گالی لوگوں کی عادت اور لازمہ سخن ہو چکی تھی۔ اور اظہار محبت و پیار کے لئے تو یہ چیز ایسی ضروری تھی۔ جیسے کھانے میں نمک

مساجد اس زمانہ میں چار تھیں۔ مسجد مبارک جو در اصل مسجد البیت تھی۔ جس کا نام بیت الذکر تھا۔ یہ مسجد سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بنوائی تھی۔ دوسری مسجد اقصیٰ تھی۔ جو حضور پُرنور کے والد ماجد

حضرت مرزا غلام مرتضےٰ صاحب

نے بنوائی۔ انہی کا مزار مبارک آج کل مسجد اقصےٰ کے وسط میں زیر گنبد ہے۔ انہوں نے یہ مسجد کن حالات اور کس نیت سے بنائی یہ وہ خدا تعالیٰ کے فعل اور مسجد کی قبولیت سے ظاہر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت سے بڑھ کر اور کیا چیز انسانی اعمال اور اس کی قلبی کیفیات کے نیک و بد کی گواہ ہو سکتی ہے؟

حکم خاتمہ و انجام کی نوعیت

پر لگا کرتے ہیں۔ کون جانتا ہے۔ کہ اس مقدس انسان نے خاندانی ریاست اور آبائی جائداد کے حصول کی کوششیں کس نیت اور ارادہ سے کی تھیں؟ کون سمجھ سکتا ہے۔ کہ اُن کی یہ ساری تگ و دو کن اغراض و مقاصد کے لئے تھی؟ کس کو اس بات کی خبر ہے۔ کہ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر اور نہایت قیمتی حصہ کس چیز کے حصول میں خرچ کر دیا؟ اس بات سے کون مطلع ہے۔ کہ انہوں نے اپنی عمر کا سارا اندوختہ اور ستر ہزار روپیہ کس نمائش و مراتب کی تلاش میں اڑا دیا؟ اور کون اس امر سے آگاہ ہے۔ کہ وہ یہ کہتے ہوئے۔ کہ:۔

"ورنہ میں جانتا ہوں۔ کہ جس طرف اس کی (مسیح موعود)
توجہ ہے۔ یعنی دین کی طرف۔ صحیح اور سچ بات
یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں"

حضرت کو بھی اپنے ساتھ دنیوی کاموں میں شریک ہو کر دنیا دار اور دنیوی بنا لینے کی کوشش کس خیال سے فرمایا کرتے تھے؟

اللہ اور صرف اللہ

ہی کی ذات ہے۔ جو اُن کے قلب کی گہرائیوں اور اندرونی بھیدوں سے واقف۔ قلبی کیفیات سے آگاہ اور نیت کی حقیقت کا رازدان ہے۔ اس کی میزان صحیح اور ناپ درست۔ اس میں غلطی ناممکن ہے۔ پس خدا تعالیٰ جس طرح اپنی قدرت نمائی سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی مرضی اس کی فعلی شہادت سے پائی جا سکتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب مرحوم کا دنیوی ناکامیوں اور نامرادیوں کے بعد مغموم و محزون رہنا۔ اور یہ کہتے رہنا۔ کہ:۔

"جس قدر میں نے پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے۔ اگر
میں وہ سعی دین کے لئے کرتا۔ تو شاید آج قطب
وقت یا غوث وقت ہوتا"

ایک پاک تبدیلی اور تبتل الی اللہ کی وقیع دلیل اور قوی برہان ہے۔ اور حضرت مسیح العزائم کا مقولہ ان کے نیک بخت پا جانے کا ثبوت گر اس کے علاوہ ؎

عمر بگذشت و نماند است جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

نیز

؎ از در تو اے کس ہر بیکسے
نیست امیدم کہ روم ناامید

اور

؎ آب دیدہ عشاق و خاکپائے کسے
مرا دلے است کہ در خوں تپد بجائے کسے

ان اشعار کی حقیقت سے آشنا ہو جس دل سے کہے اور بار بار پڑھا کرتے تھے اس کی کیفیت کا واقف علیم و خبیر قادر بے نیاز خدا ہے۔ نہ کہ

مجمل حسد لہ خوار

خدا کے حضور خالی ہاتھ جانے کی حسرت کا احساس ایک سلیم دلی اور قلب صافی کی بھی نہیں ارحم الراحمین خدا کے حضور شرف قبولیت پائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ خدا نے ان کی دنیا اور دنیا کے سارے ہموم و غموم کو دین خالص اور اپنی ذات کی جستجو و طلب میں سعی و کوشش بنا کر قبول فرمایا تھا۔

ان سب باتوں کے ساتھ سب سے اہم اور بڑی بات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں ہیں جو حضور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور کیا کرتے تھے بیکسی اضطراب۔ گداز اور سوز و نیاز سے کی جاتی ہوں گی۔ وہ انسان کامل جو نہ صرف بیگانوں اور غیروں بلکہ اپنے جانی دشمنوں تک کے لئے انتہائی درد رکھتا ہو۔ اور ان کی بہبودی کے واسطے اپنی جان عزیز تک گداخت کر دینے کا عادی ہو۔ اپنے شفیق باپ کے لئے کیا نہ کرتا ہوگا خصوصاً جبکہ ناکامیوں کی وجہ سے وہ دردمند۔ مغموم اور مہموم رہتے ہوں۔ تو حضرت کا رحیم کریم اور سلیم دل اُن کی شفاعت کے لئے کیوں نہ ...... گداز ہو کر آستانہ الٰہی پہ بہنے لگتا ہوگا؟ ان باتوں اور اُن کے دیگر احوال کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے اُن بزرگ مرحوم و مغفور کا۔

مقام عالی

قرب اور وصال سامنے نظر آنے لگتا ہے۔ اور دل اُن کی محبت سے بھر جاتا۔ اُن کی عظمت سے ڈر جاتا۔ اور بے ساختہ دل سے دعائیں نکلنے لگتی ہیں۔ علی الخصوص جبکہ ان کے نیک انجام خاتمہ بالخیر اور وصال الی اللہ کا سانحہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے

عزیٰ پرسی

کے معاملہ پر غور کیا جائے۔ تو اس بزرگ ہستی کی قدر و قیمت اور مرتبہ و مقام کی رفعت و بلندی معلوم ہوتی ہے۔ کتنے ہیں دنیا میں ایسے انسان جن کی وفات پر خدا نے اولاد کو پیغام سلام دی بھیجا ہو؟ سبحان اللہ۔

ما اعظم شانہ

ان کا آخری عمل یعنی تعمیر مسجد اور آخری خواہش۔ کہ اسی "مسجد کے ایک کونہ میں میری قبر ہو۔ تا اللہ جل شانہٗ کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو"

قادیان کے عروج کے زمانہ کی مساجد کے حالات اور تذکرے اُن کی خوبصورتی۔ وسعت اور شان و شوکت کی روایات اور آبادی و معموریت کی داستانیں۔ آپ نے اپنے بزرگوں سے سنی ہوں گی۔ جن میں قادیان آ بیٹھنے والے علماء۔ فضلاء۔ حفاظ اور اولیاء و اقطاب کے علاوہ آس پاس کے قلعوں کے حکام و امراء کے علاوہ افواج اور ان کے سردار

ہر جمعہ کو جمع

ہوتے۔ اور نمازیں گزارا کرتے تھے۔ اُن کی یاد کتنی دلدوز اور روح فرسا ہوتی ہوگی۔ جن میں سے حضرت مرزا صاحب مرحوم نے کوئی بھی نہ دیکھی۔ اور جو ایک مسجد البیت دیکھی۔ تو وہ بھی

دھرم سالہ کی شکل

میں سکھوں کے قبضہ میں۔ کتنا درد اُٹھتا ہوگا اُن کے دل میں اور کیا حالت ہوتی ہوگی اُن کے قلب کی؟ اپنی کوئی مسجد نہ دیکھ کر اُن کے دل میں مسجد بنانے کا جوش پیدا ہوا۔ خدا نے توفیق بھی رفیق فرمائی اور وہ مسجد بن گئی۔ مسجد موجود ہے۔ اسکی شکل و صورت اور بناوٹ۔ خوبصورتی و مضبوطی اس

عظیم انسان

کے جذبات کی مظہر ہے۔ گئے گذرے دنوں اور عمر بھر کی ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد جس خاندان کے ایک فرد نے ایسی مسجد تعمیر کرائی اس کے برسر حکومت و اقتدار بزرگوں نے کیسی خوبصورت۔ وسیع اور شاندار مساجد بنائی ہونگی؟ لوگوں نے مقامی حالات اور بستی کے مسلمانوں کی بے دینی و جہالت کے مدنظر عرض بھی کیا۔ کہ اتنی بڑی مسجد بناتے ہیں۔ نمازی کہاں سے آئیں گے۔ مگر آپ نے بنائی اور بنائی جسے خدا نے قبول کیا۔ اور بڑھایا۔ اور ابھی بہت بڑھائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تیسری مسجد محلہ ارائیاں اور چوتھی حلقہ خوجیاں میں تھی۔ اور یہ دونو بالکل چھوٹی۔ ویران اور غیر آباد پڑی تھیں۔ ان کی بناوٹ اور وضع سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پرانی اور قدیم نہیں۔ بلکہ ایام امن اور قریب زمانہ کی بناوٹ تھیں۔ ایک عرصہ تک ہم لوگ عموماً غسل وغیرہ کے لئے وہیں جایا کرتے کیونکہ غسل خانے صرف انہی میں تھے۔ نوافل بھی ادا کر لیا کرتے۔ یا بعض آس پاس رہنے والے دوست فرائض بھی ان میں پڑھا کرتے رہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ اس زمانہ میں ان کی مرمت و آبادی اور ڈول رسی کے چندوں میں بھی احمدی غیر احمدی کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ سبھی حسب توفیق حصہ لیا کرتے۔

آبنوشی اور دیگر ضروریات کے لئے کنواں صرف ایک وہی جو

مسجد اقصےٰ

کے صحن میں حضرت اقدس کے والد بزرگوار حضرت میرزا غلام مرتضےٰ صاحب نے اپنی عمر کے بالکل آخری حصہ میں بنوا دیا۔ حضور کے حصہ میں آیا۔ دیوان خانہ میں بھی ایک کنواں تھا۔ مگر وہ حضور پُرنور کے بڑے بھائی صاحب کے حصہ میں چلا گیا۔ حضرت کے گھر اور مہمانوں کے ہاں تو سقّے بہشتی یہاں سے چاہتے پانی لے آتے۔ مگر ہم لوگوں کو اپنی ضرورت کے لئے مسجد اقصےٰ ہی کے کنوئیں پر جانا پڑا کرتا تھا کیونکہ ایک طرف تائی صاحبہ محترمہ تو دوسری طرف مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین صاحبان ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے۔ اور بعض اوقات ناقابل برداشت طعن و تشنیع تک نوبت پہنچا دیتے۔ پس اس طرح ہمارے لئے صرف ایک

خدا کے گھر کا کوآں

کھلا تھا۔ جس طرح خدائے عالم و عالمیان نے اس مقدس و مقبول الٰہی بزرگ۔ قطب اور غوث انسان کے دو چشموں میں سے **ایک کو** اپنے نور کا سرچشمہ اور فیوض کا منبع بنا کر ہمیں اس تک پہنچا دیا۔ اور وہ اکیلا ہی خلق و جہان کے ورثہ میں آیا۔ اسی طرح آپ کے ترکہ مادی کے دو کنوؤں میں سے ایک اور صرف ایک ہی کنواں آنے والی پیاسی دنیا کے لئے کھلا تھا۔ جو فضل الٰہی سے اس نواح میں اپنے پانی کی لطافت و پاکیزگی۔ صحت افزائی و خنکی نیز ہضم اور خواص کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔

مہمان خانہ اس زمانہ میں ابھی کوئی نہ تھا۔ سیدنا حکیم الامت حضرت مولانا نور الدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطب ہی میں آنے والے مہمان قیام کیا کرتے۔ اور یہی جگہ سب کے لئے کافی اور وافی ہوا کرتی تھی۔ یا پھر حضرت اقدس کا الدار یعنی مہمان خانہ استعمال ہوتا تھا۔

لنگر خانہ بھی علیحدہ کوئی نہ تھا۔ بلکہ حضرت اقدس کے مکان کے اندر ہی ملک غلام حسین صاحب سالن وغیرہ تیار کرتے اور اندرونی خادمات تیار کر دیا کرتیں۔

دفتر تھا اس زمانہ میں کوئی نہ محکمہ نظارت و وزارت۔ مہمان نوازی و مسافر نوازی اور غریب نوازی اور کیا تالیف و تصنیف طباعت و اشاعت۔ بیمار پرسی و عزا پرسی۔ الغرض تمام دینی کام تنہا سیدنا حضرت اقدس ہی کو کرنے پڑتے۔ سب افکار سارے انتظام صرف اور صرف حضور کے ذمہ تھے۔ جن کو نہایت خوش اسلوبی اور بطریق احسن سرانجام پہنچایا جاتا۔

الغرض یہ بستی اپنے عروج و اقبال کے بعد بعض مصالح الٰہی کے ماتحت دوبارہ ویرانہ و جنگل میں تبدیل ہو کر گمنامی و قعر مذلت میں غرق ہو کر بالکل ایک چھوٹی سی بستی کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جہاں کوئی پریس تھا نہ اخبار۔ کارخانہ تھا نہ تار۔ بجلی تھی نہ فون۔ ریل تھی نہ ڈیزل کار۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گاؤں کی اراضیات اور جائداد کے علاوہ بعض دیہات کی تعلقہ داری میں بحیثیت ایک رئیس و مالک تھے۔ مگر حضور چونکہ دنیا اور اس کی عظمت و حشمت۔ مال و منال اور شغل و اشغال نیز علائق سے منقطع ہو کر صرف خدا اور اس کے دین۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مخلوق کی ہمدردی و خدمت۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت اور خدا کے نام کے اعلاء اور جلال کے اظہار کے لئے وقف ہو چکے تھے۔ حضور کو اپنی کسی زمین کا علم تھا نہ جائیداد کا پتہ۔ جو جس کے قبضہ میں تھی وہی اس کو استعمال کرتا اور فائدہ اٹھاتا۔ حضور کو

لینے کی بجائے دینے

پڑا کرتے۔ خرچ آمد سے زیادہ ہو جاتا۔ اور مالیہ و لگان بھی حضور کو اکثر اپنی گرہ سے ادا کرنا پڑتا۔ اس طرح حضور اس جائداد کے لحاظ سے مزارعین یا کارندوں کے رحم پر تھے۔ شرکا حضور کے دنیوی لحاظ سے اپنے فن کے ماہر۔ علم کے پکے اور گانٹھ کے پورے تھے۔ وہ برسر اقتدار تھے۔ اور ان کا دبدبہ و **لاٹھی** چلتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی۔ رجوع خلق۔ اور حضور کے فنا فی اللہ۔ فنا فی الرسول اور فنا فی الدین ہو جانے اور اپنے بیگانوں کو اسی رنگ میں رنگین کرنے کی مساعی کی وجہ سے اور استقبال الی اللہ کے باعث ان کو حضور سے

خدا واسطے کا بغض

قلبی عناد اور دلی عداوت تھی۔ حضور کا عروج اُن کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔ اور وہ پیچھے درپے آزار رہتے۔ ہنسی مذاق اور تمسخر و استہزاء سے بھی بہت آگے نکل جایا کرتے۔ زہر سے بجھا ہوا نقشہ دکھائی دیا کرتا۔ ان حالات کو دیکھ کر ایمان اور بھی بڑھ جایا کرتے۔ کیونکہ قول خداوندی

اذا انعم اللّٰہ المؤمن جعل لہ الحاسدین فی الامر

کی صداقت روزانہ آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ ملا کرتا۔ ملکیت کے لحاظ سے وہ تینوں بھائی ملکر بھی حضرت کی ملکیت سے قریباً ½ پہ تھے۔ مگر زور و جور کے لحاظ سے ایسا نظر آیا کرتا کہ گویا وہی مالک و حاکم تھے۔ اور تفاصیل کو چھوڑتا اور اُن کی ایذارسانی کی صرف ایک ہی مثال درج کرتا ہوں۔ جو جماعت میں

مقدمہ دیوار

کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ یہ کام حضور کے شرکا نے محض حضور کو اذیت پہنچانے اور دکھ دینے کی غرض سے سینہ زوری کرتے ہوئے کیا ورنہ اُن کا قطعاً کوئی حق نہ تھا انہوں نے ایک دیوار کھڑی کر کے مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ دونو کا راستہ بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے حضور کے خدام غلاموں اور مہمانوں کے علاوہ خود حضور پر نور کو سخت اذیت پہنچی۔ کیونکہ حضور کو اپنے دوستوں اور خدام کی تکلیف کا احساس اپنی تکلیف سے بھی کہیں بڑھکر ہوا کرتا تھا۔ مساجد میں پہنچنے کے لئے ایک لمبا چکر کاٹ کر لوگوں کو جانا پڑتا۔ اور برسات کے ایام میں تو کیچڑ گارے کے باعث اکثر لوگ پھسلنے گرنے سے چوٹیں کھاتے تھے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے از راہ شفقت اپنے مکان کے گول کمرہ کے دروازے کھلوا کر راستہ بنوا دیا۔ جس سے بہت حد تک تکلیف اور مشکل میں کمی ہو گئی۔ مگر تاہم یہ ایک

بھاری ستم اور انتہائی ظلم

تھا۔ جو ان لوگوں نے روا رکھا۔ اسی پر بس نہ تھی ان شرکار کی دیکھا دیکھی اور شہ پر بعض وہ لوگ جو کمین کہلاتے اور رذیل اور ارذول ہوا کرتے۔ وہ بھی دلیر ہو رہے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ کہ اگر کوئی احمدی کسی لپسے افتادہ کھیت میں بھی رفع حاجت کے لئے چلا جاتا۔ جو ملکیت تو اُن کے آقا کی مگر یہ لوگ بطور مزارعہ کبھی اس میں قلبہ رانی کر چکے تھے۔ تو یہ بدبخت اس کو اس بات پر بھی مجبور کرتے کہ وہ

غلاظت اٹھا کر

لے جائے۔

کہیں۔ پھاوڑے اور ٹوکریاں کام کرتے مزدوروں سے چھین کر لے جانا تو ایک معمولی بات ہو گئی تھی۔ انفرادی طور پر لڑائی جھگڑا۔ مار پیٹ اور تذلیل و تحقیر کے سلوک کے علاوہ ایک مرتبہ تو حملہ کر کے غریب احمدیوں کے گھروں تک میں آن گھسے تھے۔ ان مشکلات و مصائب اور بے پناہ مظالم کے مقابلہ میں یہیں

حکم یہ تھا

کہ ہے صبر سے سب کچھ برداشت کرو۔ اور اُف تک نہ کرو۔

جس میں برداشت کی تاب نہیں۔ اور اس کا نفس اس کو انتقام و مقابلہ پر آمادہ کرتا ہے۔ تو بہتر ہے۔ کہ وہ یہاں سے چلا جائے“۔

گالیاں سنکے دعا دو پاکے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

اپنوں اور رعیت و محکوم لوگوں کا یہ حال تھا۔ تو غیروں کی مخالفت۔ اُن کے مظالم اور سلسلہ کو نابود و معدوم کر دینے کی کوششوں اور منصوبوں کا کیا حساب و شمار ہو سکتا ہے؟ یہ داستان ظلم و ستم نہایت ہی دردناک۔ کہانی طولانی اور قصے رقت آمیز ہیں۔ جن کا یہ موقعہ نہیں۔

سیدنا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاندانی ترکہ سے جو ورثہ پایا۔ اس کا اندازہ اللہ تعالےٰ کے اس تسلی آمیز اور محبت بھرے کلام سے ہو سکتا ہے جو حضرت کو اپنے والد صاحب بزرگوار کی وفات کے باعث بتقاضائے بشریت بعض وجوہ معاش کے

کے بند ہو جانے کے خیال سے پیدا ہونے والے فکر پر آپ کو الہام فرمایا:۔

الیس اللہ بکاف عبدہ

ترکہ مرحوم کا قادیان کی اراضیات میں تخمیناً تین آنہ تھا۔ بارہ آنہ بعض پیچیدگیوں میں مرزا اعظم بیگ صاحب کی طرف چلا گیا۔ اور قریباً قریباً ایک آنہ باقی تینوں شریک بھائیوں کا تھا۔ بس +

قادیان کی بستی کا احیاء

:اور:

اسکی عظمت کا دور

یعنی

نئی زمین اور نیا آسمان

قوموں اور ملکوں۔ حکومتوں اور سلطنتوں۔ شہروں اور بستیوں کی قسمت کا بنانا اور بگاڑ دینا خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جس کے سارے افعال اور قدرتوں کی مصلحت اور حکمت کا جاننا نہ ہر کسی کے لئے ضروری ہے۔ اور نہ ہی ممکن۔ خدا کی ساری خدائی کا احاطہ لا یحیطون بشیئٍ من علمہ الا بما شاء۔

قادر ہے وہ بارگاہ ٹوٹا کام بنا دے
بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پا دے

کسی قوم کا مٹا دینا یا اس کی حکومت و سلطنت کو اٹھا دینا کبھی بطور سزا و عذاب اور کبھی بطور انعام و اصطفےٰ بھی ہوا کرتا ہے انعام پانے یا ترقیات کے لئے قربانیاں لازمی اور ضروری ہیں جو کبھی کی جاتی اور کبھی کرائی جاتی ہیں۔ یعنی کبھی شرعی احکام اور اوامر و نواہی کی تعمیل میں انسان خود اپنی خوشی سے اپنے اوپر مجاہدات و ریاضت اور مشکلات و تکالیف وارد کر کے قربانی کرتا۔ اور ایک مدت قبول کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ فیوض و برکات الٰہی کا مورد بن جاتا ہے۔ اور کبھی خود خدا کی طرف سے

قضاء و قدر

کے ماتحت۔ قوموں اور افراد پر مشکلات و مصائب کے پہاڑ گرائے جاتے اور وہ آزمائے جاتے ہیں۔ اس امتحان میں رضا و تسلیم اور صبر و استقامت کے نتیجہ میں جو عظیم الشان برکات۔ خارق عادت تغیرات اور عروج و اقبال ملا کرتا ہے۔ وہ برسوں کی ریاضت مدتوں کے مجاہدے اور سالہا سال کی عبادت کے نتائج و ثمرات سے بھی کہیں بڑھکر ہوا کرتا ہے۔ یہی لوگ اور قومیں خدائی صلوات رحمت اور ہدایت کی مستحق و مورد ہوتی ہیں۔

چھوٹی چیز بڑی کے واسطے۔ معمولی اغراض۔ مقاصد عالیہ کیلئے افراد۔ قوم پر اور ادنیٰ اعلیٰ پر قربان و نثار کئے جایا کرتے ہیں۔ دنیا فانی۔ دنیا والے بھی فانی۔ اس کے ساز و سامان فانی۔ سلطنت و حشمت بھی فانی اور زوال پذیر

فانیوں کی جاہ و حشمت پر بلا آوے ہزار
جاہ دنیا چیز کیا دنیا ہے خود ناپائیدار

خدا باقی یا پھر خدا والے۔ خدا میں گم ہو جانے والے۔ اور وہ باقی باللہ مقدسین جو ہر چیز پر خدا کو مقدم کر لیتے۔ اپنے ارادے۔ خواہشات اور آرزوئیں اس کی رضا کے لئے قربان کر کے

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ

کا کامل اسوہ اور اعلےٰ نمونہ پیش کیا کرتے ہیں۔ وہ خدا میں محو اسی میں نہاں ہو کر اس طرح اپنے رب کی پناہ میں آجاتے ہیں۔ کہ پھر آگ اُن کو جلا سکتی ہے۔ نہ پانی اُن کو ڈبو سکتا ہے۔ اُن پر حملہ کرنے والوں کو خدا خود جواب دیتا اور مقابلہ کرنے والوں کے مقابل پر کھڑا ہو کر اُن کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ خدا کے لئے دنیوی سلطنتوں اور حکومتوں کو لات مارتے اور ٹھکراتے ہیں۔ مگر خدا ان کو ایسی دولت و حکومت عطا فرماتا۔ جو لازوال اور غیر فانی ہوا کرتی ہے۔ اور وہ ایسا ملک روحانی اور عطاء رحمانی ہے۔ جس کے مقابل پہ ساری دنیا کی بادشاہی بھی ہیچ اور قربان کئے جانے کے قابل۔ دنیا کے بادشاہ نہ صرف اس پر رشک کرتے بلکہ ان کی غلامی میں سعادت اور کفش برداری میں عزت پاتے ہیں۔

ملک روحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر
گو بہت دنیا میں گزرے ہیں امیر و بادشاہ

وہ دنیا کو اکیلے نظر آتے۔ یکہ و تنہا دکھائی دیتے۔ مگر در پردہ اُن کا خدا خود اُن کا معین۔ حافظ و ناصر ہوتا ہے۔ وہ بیارو غالب ہوتے ہیں۔ اسی لئے اُن پر کسی کو غلبہ نہیں مل سکتا۔ ہمیشہ وہی غالب رہتے ہیں۔ کیونکہ خداوند عالم کے لاکھوں کروڑوں فرشتے اُن کے ساتھ رہتے ہیں۔ جو ان کی تائید و نصرت کے لئے سرگرم عمل اور کمر بستہ رہا کرتے ہیں۔ اور خدا کا یہ فضل۔ یہ انعام صرف اور صرف انہی پاکبازوں کے حصہ میں آتا ہے۔ جو اپنی ساری ہستی سارے ارادہ اور سچی دلی تڑپ سے

خالص خدا کے ہو جاتے ہیں

یہ باتیں بناوٹ یا نقل سے نہیں ملا کرتیں۔ کیونکہ خدا، خالق و مالک دلوں کی کیفیات کو دیکھتا۔ اور انسان کے اندرونہ پر چھپا نکتا ہے۔ ظاہرداری اور خالی قشر یا لہو اور گوشت پوست اس کے حضور شرف قبولیت نہیں پاتے۔ بلکہ سچی نیت اور قربانی کی پاک و مطہر روح وہاں قبول ہوتی ہے۔ لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔

زمین اور یہ آسمان معلوم نہیں کتنے لمبے عرصے کے تغیرات کے بعد جا کر مکمل ہوئے۔ اور موجودہ شکل و صورت تک پہنچے ہیں ہزاروں سال میں یا لاکھوں برس میں؟ تو عالم روحانی کی تکمیل کا تو اندازہ ہی مشکل ہے۔ کیونکہ وہ سفلی و مادی اور کثیف۔ مگر یہ عالم روحانی اور لطیف بلکہ الطف۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خداوند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

لولاک لما خلقت الافلاک

تو جس کی خاطر اور خدمت کے لئے یہ دنیا جہان اور سب کچھ بنا اور لمبے زمانوں اور قرنوں میں مکمل ہوا۔ اس کا کمال اور تسویہ کتنے لمبے زمانہ میں ہوا ہو گا؟

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے۔ کہ اوّل ما خلق اللہ نوری۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سب سے پہلے میرا نور اللہ تعالےٰ نے خلق فرمایا۔ گویا پیدائش عالم سے بھی پہلے

نور محمدی

پیدا ہؤا۔ مگر اس کا ظہور کب ہؤا۔ ظاہر ہے۔ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے بعد یعنی آج سے قریباً چودہ سو برس پہلے۔ گویا تخلیق نور محمدی اور ظہور نور محمدی کا درمیانی عرصہ ایک نہایت طویل زمانہ پر مشتمل ہے۔ اور خدا جانے کتنی باریک در باریک اور لطیف و نظیف ترقیات کے بعد اس کی تکمیل ہوئی۔ اور کتنے تغیرات ذہنی اور دماغی۔ علمی اور اخلاقی کے بعد نسل انسانی میں اس

نور نبوّت

کی برداشت کی طاقت و تاب پیدا ہوئی ہو اپنی حالت یہ تھی۔ کہ تکمیل نور نبوی یعنی تکمیل شریعت تو ہو لی۔ مگر تکمیل اشاعت اور اس کے پھیلانے کیلئے ابھی اور قریباً چودہ سو برس کا زمانہ درکار تھا۔ جو مسیح محمدی یعنی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والاصفات اور آپ ہی کے زمانہ میں مقدر تھا۔ اور چونکہ مسیح محمدی کی بعثت خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی بعثت ہے۔ جیسا کہ

آخرین منھم لما یلحقوا بھم

میں بیان ہؤا۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح محمدی کی بعثت کو اپنی بعثت اور اس کے زمانہ کو خود اپنا زمانہ فرمایا۔ بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سؤال اور استفسار پر بیان تک فرما دیا۔

"نہیں کہا جا سکتا۔ کہ میری اُمت کے لئے پہلا زمانہ زیادہ اچھا ہے۔ یا آخری زمانہ"

یعنی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ۔

اس کے علاوہ سلمان منا اھل البیت۔ فرما کر گویا ان کو اپنا لیا۔ اور جس قرب و قرابت اور تعلق اور رشتہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ سمجھنے والوں کے لئے ایک حقیقت اور غور کرنے والوں کے واسطے نور ہدایت ہے۔ آپ نے بس یہیں پر بس نہیں کی۔ بلکہ اس معاملہ کو اور کھولا۔ اور نمایاں فرمایا ہے۔ جب کہ

سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر دست شفقت رکھکر اس حقیقت کا انکشاف فرمایا۔ کہ۔ لوکان الایمان بالثریا لنالہ رجل (رجال) من ابناء فارس۔ اس حدیث کو اگر اس کے بیان کی وجہ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آیۃ قرآنی ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کی تفسیر میں فرما رہے تھے۔ کہ یہ اظہار الدین مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ کے زمانہ میں ہوگا۔ اور اسی دوران میں آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھکر مذکورۃ الصدر الفاظ فرمائے۔ اس طرح گویا آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ہی صحابہ اور آنے والی نسلوں کے ہاتھ میں دیدیا۔ اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے۔

تو سمجھائے گا خدا

اور نور محمدی کی اس کرن اور شعاع کو جو اس مقدس انسان کے روحانی وجسمانی ذریت کی بے شمار نسلوں کے اندر پنہاں تھی اس کو شناخت فرماکر۔ بھانپ کر یا اس کی خوشبو پاکر اعلان فرما دیا۔ کہ یہ وہ شخص ہے۔ جس کی نسل میں نور محمدی موجود ہے جو میری بعثت ثانیہ اور زمانہ

اشاعت نور محمدی

میں ظاہر ہو کر چمکے گا۔

الغرض یہ سارے تغیرات اور تبدیلیاں جو اس دَور میں ہوئیں یہ ساری ترقیاں اور عروج علمی وعملی ظہور میں آئے۔ انسان کا ذہنی اور دماغی ارتقا ہؤا۔ انسان کی ہر قسم کی استعدادیں بڑھیں۔ زمینی و آسمانی حوادث ظاہر ہوئے۔ سائنس کا چرچا ہؤا۔ ایجادات کا کمال اور محیر العقول آلات نکلے۔ یہ تمام کے تمام اسی روحانی مائدہ اور آسمانی نور کی اشاعت وخدمت کے لئے ظہور میں آئے۔ یا پھر نور محمدی کے اس ظرف لطیف و نظیف اور طیب وطاہر کی تیاری کے لئے یہ سب کچھ ہؤا۔ جو بطور ایک تابوت سکینت ترقی یافتہ اور مادی کمالات سے آراستہ دنیا کے لئے مقدر تھا۔ اور یہ امر ربی خدا کی ایک مقبول نسل کے پشتہا پشت کے گوناگوں تغیرات اور خلاصہ در خلاصہ کی روح ہے۔ جس کو خداوند خدا نے اپنی رحمت کے عطر سے ممسوح فرماکر ہزاروں چکروں اور سینکڑوں بھٹیوں میں سے گذارتے ہوئے نور محمدی کی تبلیغ واشاعت کے لئے تیار فرمایا۔ جو

سیدنا حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ دنیا کو ملنے والا اور کفر وشرک وجہالت وضلالت۔ نیز جنگ وجدال اور شرارت وفساد کو مٹاکر دنیا کو شیطان کی غلامی۔ جہالت کی تاریکی اور کفر وشرک کی نجاست سے آزاد کرکے بندوں کو خدا کے بندے اور باخلاق بندے بنانے کو آنے والا تھا۔ بھولے بھٹکوں کو ہدایت کا نور دے کر اپنے خالق حقیقی کی طرف پھیرنے اور اس سے ملا دینے والا تھا۔

حضرت اقدس کی آبائی ریاست اور خاندانی حشمت نیز دولت وثروت کی صفت اللہ تعالیٰ کے باریک در باریک مصالح اور نہاں در نہاں حکمتوں اور مصلحتوں کے ماتحت لپیٹ دی گئی۔ قوت و شوکت اور حکومت ورعب کا کوئی بھی اثر باقی نہ رہ گیا بلکہ مشکلات ومصائب کا ایسا دور شروع ہؤا۔ کہ حضور کے والد بزرگوار تو ناکامیوں اور نامرادیوں کی وجہ سے عموماً ایک نہایت گرداب غم اور حزن واضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ ان حالات کا جو اثر حضور پُر نور قبول فرماتے۔ وہ یہ تھا کہ:۔

"مجھے ان حالات کو دیکھکر ایک تبدیلی پیدا کرنے کا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا۔ جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے" (کتاب البریہ)

اوّل تو خدا نے ہی اپنے فضل سے حضور پُر نور کی فطرت کا خمیر

اپنی محبت اور عشق

کی مقدس مٹی اور خالص صفا کے مادہ سے اٹھایا تھا۔ پھر اس کے فرشتوں نے حضور کے سینہ کو ہر قسم کی دنیوی کثافتوں اور کدورتوں سے دھو دیا تھا۔ بزرگوں کی سلطنت کے چلے جانے سے جو حالات پیدا ہوئے۔ جن کا نمایاں نتیجہ آپ کی عبرت اور تبتل الی اللہ کے لئے آپ کے والد محترم کی زندگی کی صورت میں آپ کے سامنے تھا۔ جس نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔ اور حضور کلیتہً دنیا ناپائیدار اور اس کی زینتوں سے کٹ کر خالص اور سموچے خدا کے ہو گئے۔

ان تبدیلیوں کی تہ میں کیا مصالح الٰہی اور حکمتیں مخفی دکارفرما تھیں۔ اُن کا تفصیلی علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں یا پھر خدا نے جتنا بھی کر دے دیا۔ ایک موٹی سی بات مرتفع ومحل کی مناسبت سے میری سمجھ میں آئی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اوّل خداوند عالم نے سیدنا حضرت اقدس کو ایک عظیم المرتبت اور بھاری گھرانے میں پیدا کیا تا نجابت وشرافت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کی تربیت ہو۔ کیونکہ بادشاہوں نے آپ کی غلامی میں داخل ہونا تھا۔ دوم یہ کہ حکومت وطاقت مٹا دی۔ تا کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے۔ کہ حکومت وطاقت کے زور سے کامیاب ہوئے ہیں۔ اور صرف خدا کی تائید ونصرت اور اسی کے نام کا جلال وشوکت ظاہر ہو۔ اسی موقعہ وہ جو خود حضرت نے ارقام فرمایا ہے:۔

"مگر تاہم میں جانتا ہوں۔ کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملک داری کی لپیٹی گئی۔ اور وہ سلسلہ ہمارے وقت میں آکر بالکل ختم ہو گیا۔ اور ایسا ہؤا۔ تا کہ خدا تعالےٰ نیا سلسلہ قائم کرے۔ جیسا کہ براہین احمدیہ میں اس سبحانہ کی طرف سے یہ الہام ہے۔ سبحان اللہ تبارک وتعالےٰ زاد مجدک ینقطع آباءک ویبدء منک یعنی خدا جو بہت برکتوں والا ہے۔ اور بلند اور پاک ہے۔ اس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا۔ اب سے تیرے آباء کا ذکر قطع کیا جائے گا۔ اور خدا تجھ سے شروع کریگا اور دنیا ہی اسنے مجھے بشارت دی۔ کہ میں تجھے برکت دوں گا۔ اور بہت برکت دونگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"

القصہ وہ دَور ختم ہوکر دوسرا مبارک دَور شروع ہو گیا۔ جس کے متعلق خدائی وعدے بے انتہا برکتوں اور ترقیات کو حاوی ہیں کے علاوہ جاہ وجلال اور شوکت واقبال کے بھی ہیں۔ نیز اسی ذیل میں حضور کو اللہ تعالےٰ نے بتایا کہ یہ بستی جو مرکز سلسلہ اور تختگاہ رسول ہے۔ بہت ترقی کرے گی۔ محترم مکرم اور بہت بارونق ہوگی۔ علم وفضل اور تقویٰ وطہارت کا چرچا ہونے لگا۔ حتیٰ کہ دنیا جہان کو اب اسی مرکز سے ہدایت پانی اور غذا ملا کرے گی۔ یہ بستی ظاہری لحاظ سے بھی بڑھے گی۔ اور بہت بڑھے گی۔ حتیٰ کہ اس کی وسیع سڑکوں پر گوناگوں سواریوں کی کثرت سے چلنا پھرنا مشکل ہوگا اور بہت بڑے بڑے سیٹھ اور جوہری اس کے بازاروں میں کاروبار کریں گے۔ اور اتنی پھیلے گی۔ کہ دریائے بیاس تک اس کی آبادی کا سلسلہ پہنچ جائے گا۔ اور ہجوم خلق کی وجہ سے ارض حرم کا منظر ہؤا کرے گا۔

زمین قادیان اب محترم ہے
ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

کیونکہ ھان ان تقان وقرب یعنی الناس وقت آ گیا ہے کہ تیری تائید ونصرت کے سامان ظاہر ہوں۔ اور تو دنیا کے کناروں تک مشہور ومعروف ہو جائے۔

سنت اللہ یہ ہے۔ کہ انبیاء کرام کے مقاصد عالیہ کی تخم ریزی تو اللہ تعالےٰ ان کے اپنے ہاتھوں کرا دیا کرتا ہے۔ باقی تنظیم استحکام۔ حفاظت وآبیاری اور تکمیل وتمثیل ان کے بعد

قدرت ثانیہ

یعنی خلفاء کے ذریعہ کرائی جاتی ہے۔ جو اپنے مطاع ومتبوع کے کام کی نگرانی وخدمت اور ترقی واشاعت میں سرگرم عمل

اور گرفتار رہتے ہیں۔ موعدوں کے متعلق نص قرآنی انما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک اس امر کی مظہر ہے کہ بعض وہ پیشگوئیاں اُن کے سامنے اور اُن کی زندگی میں پوری ہو جاتی ہیں۔ اور کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جو اُن کے وصال کے بعد اُن کے نواب اور جانشینوں کے زمانہ میں جاکر پوری ہوتی ہیں۔ علم غیب خاصۂ خداوندی ہے۔ خدا کے سوا کوئی غیب پر اطلاع پانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ البتہ جس کو اور جتنا خدا چاہے علم غیب سے حصہ دیکر نواز دیتا ہے۔ تا اس کی صفت عالم الغیب کی دلیل اور

علم و قدرت

کا اظہار اس کے بندوں کے ایمان اور یقین کی ترقی و تازگی کا موجب ہو۔ چنانچہ اسی حکمت کے ماتحت اللہ تعالےٰ نے ہمارے امام خیرالانام سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی بکثرت امور غیبیہ کے علم سے سرفراز فرمایا۔ جن میں سے بعض باتیں موقع و محل کے مناسب حال لکھی جاتی ہیں:

گمنامی کے بعد شہرت

اس بستی کی ترقی کے متعلق اللہ تعالےٰ نے حضور کو جو علم دیا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ

"ہم نے کشف میں دیکھا۔ کہ قادیان ایک بڑا عظیم الشان شہر بن گیا۔ اور انتہائی نظر سے بھی پرے تک بازار نکل گئے۔ اونچی اونچی دو منزلی یا چو منزلی یا اس سے بھی زیادہ اونچے اونچے چبوترہ والی دوکانیں عمدہ عمارت کی بنی ہوئی ہیں۔ اور موٹے موٹے سیٹھ بڑے بڑے پیٹ والے جن سے بازار کو رونق ہوتی ہے بیٹھے ہیں۔ اور اُن کے آگے جواہرات اور لعل اور موتیوں اور ہیروں۔ روپوں اور اشرفیوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔ اور قسما قسم کی دوکانیں خوبصورت اسباب سے جگمگا رہی ہیں۔ یکے۔ بگھیاں۔ ٹمٹم۔ فٹن۔ پالکیاں۔ گھوڑے شکرم پیدل اس قدر بازار میں آتے جاتے ہیں۔ کہ مونڈھے سے مونڈھا بھڑ کر چلتا ہے۔ اور راستہ بمشکل ملتا ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۳۹۳-۳۹۴)

یأتیک من کل فج عمیق ویأتون من کل فج عمیق

یعنی دُور دُور سے آپ کے پاس تحائف آئیں گے۔ اور دُور دُور سے لوگ بھی آیا کریں گے۔ پھر فرمایا:۔

لا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ لوگ بہت کثرت سے آویں گے۔ اُن کے ہجوم اور بھیڑ سے پیشانی پر بل لانا اور نہ ہی اُن کی عرض و معروض اور ملاقات و مصافحہ سے تھک جانا۔

پھر یہ بھی فرما دیا۔ کہ:۔

وَسِّعْ مَکَانَکَ

لوگ۔ بہت ہی کثرت سے آئیں گے۔ اُن کے رہنے سہنے اور ٹھہرنے کے سامان کرو۔ اور اپنے مکان کی توسیع کرو۔

الغرض اس وجہ باوجود یعنی سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور سے جہاں دنیا بھر میں عجیب و غریب تغیرات شروع ہو گئے۔ وہاں قادیان کی نحوست و ویرانی بھی ترقی و رونق میں متبدل ہونے لگی۔ حضرت اقدس کے والد محترم کی تنگی فراخی سے بدلنے لگی۔ اور مشکلات کا اس طرح خاتمہ ہو گیا۔ کہ حضور پُر نور نے اُن مصائب و شدائد سے کوئی حصہ ہی نہ پایا۔ قادیان قعر مذلت و چاہ گمنامی سے نکل کر عروج و اقبال کی منزلیں طے کرنے لگی۔ اور ہوتے ہوتے یہ ہوا۔ کہ آج اس مہبط انوار الٰہیہ کے نام کے ساتھ ساتھ قادیان کا نام بھی

دنیا کے کناروں

تک پہنچ چکا ہے۔ آپ دنیا کے کسی کونہ میں چلے جائیں۔ ساتوں سمندر پار دوسری دنیا میں۔ کرۂ ارض کے انتہائی شمال یا انتہائی جنوب میں۔ مطلع الشمس یا مغرب الشمس یعنی مشرق بعید یا مغرب بعید میں جہاں بھی جائیں گے۔

خدا کے اس آخری نور

کی شعاع اور کرن ہر ملک۔ ہر علاقہ اور ہر برّ اعظم میں منور پائینگے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادران! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جب کہ آپ کی وفات قریب آ گئی تھی بطور وصیت سب مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا۔ ان دماءکم و اموالکم (راوی ابی بکرہ کی حدیث میں ہے۔ و اعراضکم) حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا۔ اس شہر میں اس مہینہ میں اس دن کو اللہ تعالیٰ نے جو حفاظت بخشی ہے یہ حج کے ایام کی بات ہے۔) وہی تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں (راوی ابی بکرہ کی روایت کے مطابق اور تمہاری عزتوں) کو خدا تعالےٰ نے حفاظت بخشی ہے۔ یعنی جس طرح مکہ میں حج کے مہینہ اور حج کے وقت کو اللہ تعالےٰ نے ہر طرح پُرامن بنایا ہے۔ اسی طرح مومن کی جان اور مال اور عزت کی سب کو حفاظت کرنی چاہیئے۔ جو اپنے بھائی کی جان مال اور عزت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ گویا وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے حج کے ایام اور مقامات کی بے حرمتی کرنے والا۔

پھر آپ نے دو دفعہ فرمایا۔ کہ یہ حدیث جو بھی سنے آگے دوسروں کو پہنچا دے۔ پس اس حکم کے ماتحت یہ حدیث آپ تک پہنچاتا ہوں۔ آپ کو چاہیئے۔ کہ اس حکم کے ماتحت آپ آگے دوسرے بھائیوں تک مناسب موقعہ پر یہ حدیث پہنچا دیں۔ اور انہیں سمجھا دیں۔ کہ ہر شخص جو یہ حدیث سنے اسے حکم ہے۔ کہ وہ آگے دوسرے مسلمان بھائی تک اس کو پہنچاتا چلا جاوے۔ خاکسار عبدالرحمٰن قادیانی بتعمیل ارشاد سیدنا حضرت امیرالمومنین۔

آپ دنیا کے کسی چھوٹے سے چھوٹے مقام یا بستی سے صرف قادیان کا نام لکھ کر خط پوسٹ کر دیں۔ نہ لکھیں انڈیا۔ نہ لکھیں پنجاب اور بے شک نہ لکھیں ضلع و تحصیل۔ پھر بھی آپ کا خط اپنی منزل پر ضرور پہنچ رہے گا۔ غرض بیابانوں میں بھی اور ناقابل عبور پہاڑوں میں بھی خدا کے اس برگزیدہ انسان کا نام سن پائیں گے۔ کیونکہ جہاں انسان نہیں پہنچ سکتے۔ وہاں خدا کے فرشتے اس بزرگ ہستی کی نام کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ یہ مبالغہ ہے اور نہ ہی شاعرانہ خیال۔ بلکہ واقعات ہیں۔ حقائق اور چشمدید حالات ہیں۔ جن کی ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ کہ بالکل غیر معروف علاقوں۔ ویرانے جنگلوں اور سنسان پہاڑوں میں بھی قادیان کے عاشق اور خدا کے مسیح کے نام لیوا موجود پائے گئے۔ اور زیادہ تر حصہ اس شہرت و عروج اور اشاعت و تبلیغ کا اس

پچیس سالہ دَورِ سعید

ہی میں ظہور پذیر ہوا۔ جو امیرالمومنین سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے عہد سعادت مہد کے نام سے معروف ہے۔

ترقی مکان و مکیں

جیسا کہ پہلے حصہ مضمون میں لکھا جا چکا ہے۔ اس حساب سے زیر آبادی رقبہ زیادہ سے زیادہ بائیس یا تیئیس ایکڑ تھا۔ مگر تباہی و بربادی کے باعث ایک چوتھائی آباد باقی برباد یا سنسان و مقفل اور خالی و بلا علیٰ عروشہا۔ خدا نے اپنی قدرت نمائی سے دوبارہ اس کی آبادی و معموریت کے سامان پیدا کئے۔ اپنے مسیحا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے لئے اس اُجڑی بستی کا انتخاب فرما کر اپنے علم اور قدرت دونو صفات کا اظہار فرمایا۔ اور موت کے بعد اسے وہ حیات بخشی۔ جس کے بعد پھر اس کے لئے کوئی موت مقدر نہیں۔ کیونکہ اب یہ

خدا کے رسول کی تخت گاہ

بنکر معزز و مکرم اور مرجع خلائق بن چکی ہے۔ فیوض و برکات روحانیہ کے علاوہ ظاہری لحاظ سے بھی پہلے ایک تباہ حال گاؤں سے آباد گاؤں۔ پھر قصبہ اور اب شہر کی حیثیت تک پہنچ چکی ہے۔ رقبہ زیر آبادی کی وسعت کے لحاظ سے تیس چالیس گناہ اور مکانات کی خوبی و قیمت کے حساب سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں گنا ترقی پا کر اب اتنی آباد اور وسیع گنجان ہو گئی ہے۔ کہ پرانی بستی میں چپہ بھر زمین باقی نہ رہی تو فصیل اور کھائیاں آباد ہو کر زرعی اراضیات میں دور دور تک آبادی ہی آبادی کا طرح پھیل گئی ہے۔ جیسے قدوسیوں کی کوئی چھاؤنی ہو۔ مکانات کا نمبر بروئے کاغذات سمال کمیٹی اٹھارہ سو ہے۔ اور جو حدود کمیٹی سے باہر ہیں۔ اُن کو ملا کر یہ نمبر دو ہزار سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ مگر مکان مکان میں فرق ہے۔ ایک دو کوٹھڑی اور چھوٹا سا صحن بھی مکان اور دس پندرہ کمرے کا مکان بھی مکان۔ اور چونکہ ہر احمدی مکان بناتے وقت وسع مکانک کے حکم کو مد نظر رکھ کر مکان بناتا ہے لہذا یہ مکانات اپنی وسعت و فراخی اور خوبی و صفائی کے لحاظ سے کئی کئی مکانات کے قائم مقام ہیں۔

اصل آبادی کے علاوہ کم و بیش سات سو ایکڑ رقبہ میں مکانات باغات اور کوٹھیاں پھیل گئی ہیں۔ دارالامان۔ دارالرحمت۔ دارالعلوم۔ دارالشکر۔ دارالفضل۔ دارالسعت۔ دارالبرکات۔ دارالفتوح۔ ناصر آباد۔ دارالصحت۔ باب الانوار۔ دارالانوار اور دارالیسر یہ تیرہ محلہ جات جداجدا انتظام کے ماتحت آبادی کے لئے مکمل ہو چکے ہیں۔ ابھی نہ معلوم کتنے اور کھلیں گے۔ آبادی کا اندازہ ۱۹۳۹ء مطابق ۱۳۵۸ ہجری تک

بارہ تیرہ ہزار

سے بھی اوپر کیا جاتا ہے۔ اراضی کی حیثیت و قیمت میں مربع و محل کے لحاظ سے بیس پچیس گنا سے لے کر سو گنا تک اضافہ ہو چکا ہے۔ اور آس پاس کے دیہات جو کبھی دُور معلوم ہوا کرتے اب قادیان کے محلے بنتے جا رہے ہیں۔ اور اس طرح فرمان الٰہی انا نأتی الارض ننقصہا من اطرافہا افہم الغالبون کی تصدیق و منظرت نئے رنگ اور نئی شان میں مشہود و محسوس ہوتا ہے۔ بنیاد ان ترقیات کی مہبط انوار الٰہیہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی۔ مگر موجودہ شان و عظمت اور ترقی و اقبال کا اکثر حصہ

خلافت ثانیہ کے برکات و فیوض

کا ثمرہ اور آپ کی مساعی اور حسن تدبیر کا پھل ہے۔ جو خدا کے فضل سے دن دوگنا اور رات چوگنا ہو کر بڑھتا اور پڑھتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ اخبار کے مضامین کا متحمل نہیں ورنہ بطور نمونہ چند کوٹھیوں اور مکانات کی تفصیل دیکر کچھ وضاحت کر دی جاتی جس سے موجودہ حالت محفوظ ہو جاتی۔ اور آئندہ پچیس سالہ دور کے وقت اضافہ کے اندازہ میں سہولت ہوتی۔

رونق بازار

اُس زمانہ کے اجڑے دیار کے بازار جو صرف نام کے دو بازار تھے۔ کام کوئی نہ ہوا کرتا تھا۔ آج کل اُن میں سے گذرنا دشوار ہو جایا کرتا ہے۔ کاروبار۔ سود و سلف۔ اور لین دین کے لحاظ سے کیا اور دوکانات کی بناوٹ اور سجاوٹ اور رونق و بکری کے لحاظ سے کیا۔ ہر رنگ میں ہی ترقی۔ ہر کام میں برکت۔ ہر چیز میسر اور ہر جنس موجود ملتی ہے۔ دوکانداروں کے ہاں گاہکوں کی بھیڑ اور کام کی دھن بھر بار کر سر کھجانے کو وقت نہیں ملتا۔ کبھی یہ حال تھا کہ بیٹھے مکھیاں مارا کرتے۔ یا انگڑائیاں اور جمائیاں لیا کرتے تھے۔ مکانوں کی قدر ہو گئی۔ کرائے بڑھ گئے۔ باوجود کئی اور وسیع بازار بن جانے کے موقعہ کا مکان یا دوکان حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو برسوں کوشش اور انتظار کرنا پڑتی ہے۔ گلی کوچوں میں بھی جب دوکانات کی گنجائش نہ ملی۔ تو بیسیوں دوکانیں گھروں کے اندر کھل گئیں۔ عورتوں نے عورتوں کی سہولت و آسائش کے لئے تجارات شروع کر دی۔ اور اللہ تعالےٰ کا انتہا فضل ہے۔ کہ آج کل اس زمانہ کے مقابلہ میں

ایک اور سو کی نسبت

تو کم از کم ہے۔ دوسری طرف اہم انقلاب کہ تو اللہ تعالےٰ نے اس مقدس بستی سے اُڑا ہی دیا۔ اور بھنگ چرس۔ حقہ وغیرہ کے دم لگتے بھی دکھائی نہیں دیتے جو سر بازار عموماً دیکھنے میں آیا کرتے تھے۔ اور نہ ہی اب وہ رونق شطرنج وغیرہ فضول کھیلیں کھیلنے والوں کی نظر آتی۔ جو نتیجہ بیکاری ہوا کرتا تھا۔ یہ تمام ترقیات سلسلہ کی برکت اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کی طفیل سے ہوئیں۔ اسی وجود باجود کے ساتھ جہاں اللہ تعالےٰ نے ہزاروں لاکھوں برکات روحانیہ نازل فرمائیں وہاں دنیوی برکتوں اور فضل کے خزانوں کے منہ بھی اللہ تعالےٰ نے حضور کے ہاتھ پر کھول دیئے۔ حضور کے وصال کے بعد خلافت اولیٰ قائم ہوئی۔ وہ عہد مسعود گذرا۔ تو خدا کی حکمت نے

سیدنا حضرت محمود

کو قائم فرما دیا۔ جن کے عہد خلافت میں یہ سب ترقیات قابل ذکر موجود ہیں۔ اللّٰہم زد فزد حتیٰ ثم آمین [illegible]

بیکاری دور ہوئی

تو اس کے بد نتائج بھی دور ہو گئے۔ قمار بازی رہی نہ اس کے اڈے۔ جو بیکاری کی وجہ سے بری بلا بن کے چھائے ہوئے تھے۔ اور پکڑ دھکڑ جیسے [illegible] خدا کے فضل سے اس قسم کی ساری [illegible] کا سلسلہ قطع ہو گیا۔ بیکشی و فروشی و فروشی بھی جہاں خدا نے اس بستی سے اٹھا کر قادیان کے تقدس میں ظاہری لحاظ سے بھی اضافہ فرمایا۔ وہاں اس کے نتیجہ کے ناپاک لوازم بھی نابود ہو گئے۔

کوڑا کرکٹ

اور نجاست و گندگی کے وہ مکروہ مناظر نہ صرف یہ کہ نظر نہیں آتے۔ بلکہ اب تو ان کی یاد بھی مشکل سے ہی تازہ ہو سکتی ہے۔ صفائی کا انتظام۔ نالی اور بدر روؤں کی صفائی کے لئے بہت سے خاکروب مستقل اور کوڑا بردار گدھے والے ملازم اور اپنی اپنی ڈیوٹیاں بجا لاتے ہیں۔ کوڑا کرکٹ اور گندگی و نجاست چونکہ اب معقول قیمت پر بک جاتا ہے۔ کھیتی باڑی سبزی ترکاری کے کاشتکار اور ٹھیکیدار مول لے لیتے ہیں۔ لہذا صفائی کے ٹھیکیدار پوری کوشش سے میلا اور کرکٹ اٹھائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جتنا زیادہ وہ لوگ کوڑا کرکٹ اٹھائیں۔ اتنا ہی ان کا فائدہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے وہ پوری محنت اور کوشش سے صفائی کا کام کرتے ہیں۔ اور گو یہ کام ٹاؤن کمیٹی کا ہے۔ مگر امیر المومنین سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کے ماتحت ہر صاحب خانہ خود اور حضور کی مقرر فرمودہ مجلس

خدام الاحمدیہ

کے اراکین الگ روزانہ یہ امور اپنی دیگر رفاہ عام کی خدمات کے شوق و باقاعدگی سے بجا لاتے ہیں۔ کیونکہ یہ امر ان کے فرائض میں داخل اور روزمرہ کی ڈیوٹی ہے۔ جس کی بجا آوری سے اُن کو رضائے خدا اور خوشنودی امام میسر آتی ہے۔ اور اُن کے دین کے ساتھ اُن کی دنیا بھی سنورتی ہے۔ کیونکہ وہ خلق خدا کی خدمت کا مقدس فرض خوشی سے بجا لاتے۔ اور اس میں راحت محسوس کرتے ہیں۔

جاہلیت کے میلے

ان تحریکات طیبہ کے نتیجہ میں میلہ قدم شریف تو خدا کے فضل سے ختم ہی ہو چکا ہے۔ نہ وہ میلہ رہا نہ اس کے لوازم۔ وہ فحش کش مناظر گندے گیت اور فضول بکواس۔ اور وہ مردوں عورتوں کی ٹولیاں۔ اور حیا سوز حرکات اور جوا بازی شراب خوری اور فتنہ فساد۔ دوسرے میلوں سب خدا کے فضل سے بیخ و بن سے اکھڑ گئی۔ باقی میلوں کی اصلاح کے لئے اللہ تعالےٰ نے سامان کر دیئے۔ اور وہ اب میلہ کی بجائے

عرس

کے نام سے مشہور ہونے لگے۔ جہاں منتظمین اپنے اپنے رنگ میں انکو مفید اور بارونق بنانے کی کوشش اور سعی میں مصروف ہیں۔ گندے گیتوں اور فضول بکواس کی بجائے قوالی اور نعت خوانی کا چرچا ہونے لگا۔ اور اس طرح ان کی اصلاح کے سامان پیدا ہو رہے ہیں کیونکہ آسمان سے ہوا ہی اللہ تعالےٰ نے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انفاس قدسیہ کی طفیل ایسی چلا دی ہے۔ کہ خود دنیا مکروہات سے متنفر اور معروفات سے محبت کرنے لگی ہے۔ اور یہ تغیرات بھی زیادہ تر سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کے دور خلافت میں ظہور پذیر ہوئے۔ اور ایسے مکروہ میلوں کو مٹا کر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء نے دنیا کو جو کچھ بدلہ اس کی ایک جھلک ہمارے جلسہ سالانہ کی شکل میں نمایاں ہے۔ جس سے دنیا اندازہ کر سکتی ہے۔ کہ حضور نے

کس چیز کو مٹایا

اور

کس کو قائم فرمایا۔

لیا کیا؟ اور اس کے عوض میں دیا کیا؟

درندے اور وحوش

کا تو اب اس نواح میں نشان ہی نہیں ملتا۔ آبادی کی ترقی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب ادھر کا رخ ہی نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ شکاری بیچارے ترستے ہیں۔ اور بندوق لئے میلوں میل تک ان کی تلاش کرتے۔ مگر وہ کچھ ایسے غائب ہوئے۔ کہ ان کا ملنا ہی محال ہو گیا۔ آجا کے دریا کے کنارے کہیں سرکنڈے یا جھاؤ کے گھنے جنگلوں میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں ان کا مار لینا کچھ آسان نہیں رہا۔

سواری و سڑک

اور وسائل آمد و رفت کی تکلیف جہاں قادیان پہنچنے میں بھاری روک ہوا کرتی تھی وہاں آبادی کی ترقی میں بھی ایک سد سکندری تھی۔ سٹیشن دور۔ مد دیا کی بار برداری کرا یہ۔ اینٹ تک بھی بٹالہ سے منگانی پڑتیں۔ جو علاوہ خرچ کے وقت بہت لیا کرتیں۔ گڈے ٹوٹ کر اور گدھے بوجھ سے تھک کر راستہ ہی میں رہ جایا کرتے۔ مجبوراً سامان زمین ڈھیر کرنا پڑتا جس کی حفاظت نہ کی جائے تو اٹھا لے جاتا۔ الغرض مشکلات تھیں اور مصائب۔ حضرت اقدس سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل جب دنیا والے ان مشکلات سے بھی نہ گھبرائے نہ رکے۔ تو اللہ تعالےٰ نے فضل کیا ایک دو یکوں کی بجائے پہلے تو یکے ہی بڑھ گئے۔ کمالی دیکھنے کی بگیوں نے بھی [illegible] ان کے علاوہ سواری کا ذریعہ و مکانات دوسری بہتر گورو کے بیچ بھی قادیان کو آنے لگے۔ کچھ یکے کی وضع قطع اور بناوٹ میں بھی تبدیلی ہوئی۔ پہلے یکہ پھر ترقی یافتہ یکہ اس کے بعد ٹانگہ اور ٹمٹم اور ٹمٹم کے بعد ٹانگہ۔ اسی طرح سہولت و آسائش کے سامان ہونے لگے۔ حتیٰ کہ موٹر لاریاں چلنے لگیں۔ حمل و نقل کے وسائل میں ترقی ہوئی۔ تو ان آنے والوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جس طرح یکے والوں کو یکہ والے کو دیکھ کر دوسرے کو روزی ملی ہے کو دیکھ کر تیسرے کو رشک ہوا۔ اسی طرح یکے سے ٹمٹم اور ٹمٹم سے ٹانگہ اور ٹانگہ والوں کی کمائی سے للچا کر موٹر لاریاں چلنے لگیں۔ تو خدا نے ریلوے والوں کے دل میں قادیان پہنچنے کی تحریک کر دی۔ اور اس طرح اللہ تعالےٰ کے فضل سے ۱۹۲۸ء کے اواخر میں یکہ کی جگہ

ریل کی سواری

قادیان میں پہنچی۔ جس سے سواری کی مشکلات اور سڑک کے مصائب کا خاتمہ ہوا۔ موٹر کاریں۔ موٹر سائیکل اور اس کے ساتھ سائیڈ کار بھی آ گئیں۔ ابھی پر بس نہیں۔ بلکہ ایک ہوائی جہاز والے کے دل میں خدا نے تحریک کی اور وہ اپنا ہوائی جہاز لیکر قادیان پہنچا یہاں اترا۔ پھر اڑا اور ایک جگہ سے اڑ کر کیا۔ حضور نے گو اہل خاندان کو سیر بھی کرائی۔ یہ کچھ تو منہ اپنا عالم نے اب تک دکھایا آئندہ یخلق ما لا تعلمون کے ماتحت خدا جانے کیا کیا سواریاں یہاں آئیں گی۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"رویا میں دیکھا۔ کہ میں قادیان کے بازار میں ہوں اور ایک گاڑی پر سوار ہوں **جیسے ریل گاڑی ہوتی ہے**" (تذکرہ صفحہ ۷۹۵)

چنانچہ حضور کی یہ رویا ایک مرتبہ تو یوں پوری ہوئی کہ بٹالہ قادیان سڑک پر ڈیزل کاریں چلنے لگیں۔ اور یہاں تک ترقی ہوئی۔ کہ دن بھر میں چھ مرتبہ آتیں۔ اور چھ مرتبہ ہی واپس جاتیں۔ یہ ریل گاڑی کو ملا لیا جائے۔ تو چودہ مرتبہ آمد و رفت تھی۔

میں پکی سڑک کے دونوں طرف قادیان کی آبادی واقعہ ہے جس طرح آبادی میں سے ہو کر اُن کا گذرنا گویا بازار ہی سے گذرنا نظر آیا کرتا۔ مگر خدا معلوم کل کو ریل موٹر چلنے لگے یا بازاروں میں ٹرام بھی چلنے لگیں۔ اور اس طرح بار بار حضور کا یہ رویا پورا ہوتے لوگوں کو دیکھنا نصیب ہو۔ سردست یہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی لاریاں تو صرف ... زمانہ کے موجودہ لوگوں پر سیدنا حضرت اقدس کے اس رویا کی صداقت کے اظہار کو آ ہی پہنچیں۔ جو آئیں اور صرف چھ ماہ دوڑ کر اب ریل ہی آگئی۔ اور بار برداری نیز گڈے گدھوں کی جان بچی۔ فالحمد للہ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

ریل یا دیگر سواریوں کی آمد کا نظارہ اللہ تعالیٰ نے قدرتوں بھرے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھا دیا تھا۔ مگر پہنچی یہ بھی خلافت ثانیہ کے عہد مبارک میں۔

قیمتِ جائیداد

وہ کھنڈرات اور ویرانے جو کسی زمانے میں خلافت کے سٹور اور نیا ... کے ذخیرہ گاہ تھے آباد ہو چکے۔ شکستہ و خستہ عمارات مرمت یا تعمیر ہوئیں۔ مقفل گھر آباد اور برباد محلے معمور ہو گئے۔ اور ... سے آبادی و عمارات کی ایسی ترقی ہوئی کہ اب اصل بستی میں تو پیچ بھر زمین بھی نہ ملتی محال۔ وہ فصیل نزول سرکار جو کوڑیوں کے مول دکھ ... کے برابر حکام متعلقہ نے لوگوں کے گلے منڈھی تھی ... کے بجائے صد روپیہ میں بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ کجا جن کی نگرانی پر اتنا خرچ کرنا پڑتا تھا جتنا بھاری ماہوار کرایہ ... ہیں۔ کھائی اور گڑھا جس کے کناروں گرنے ... اکثر کھڑے ہوتے ہیں جن کو بھر کر ہموار کرنے ہی کے اخراجات زمین کی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہو ... ہوا کرتے۔ الغرض زمین قادیان اب ہر لحاظ سے محترم ہے۔ روحانی لحاظ سے بھی اور مادی لحاظ سے بھی۔ جیسے اپنے اندازہ میں اراضیات زیر آبادی کی قیمت اس زمانہ کے مقابلہ میں ان کل

چالیس پچاس گنا سے سو گنا

تک موقعہ و محل کے لحاظ سے بڑھ گئی ہے۔ اور ابھی بڑھتی جا رہی ہے۔ اور بڑھتی جائیگی۔ خاندان نبوت کا احسان ہے۔ کہ انہوں نے روحانی فیوض و برکات کے خزانوں کی طرح زمینی خزانوں کے دروازے بھی کھول دیئے اور اپنی نہایت ہی قیمتی اراضیات مفت کے برابر لوگوں میں تقسیم کرنی شروع کر دیں۔ تاکہ وہ اس مقدس بستی میں گھر بنا کر امن و چین کی زندگی بسر کر سکیں۔ اگر یہ خاندان اس فیاضی و ایثار سے کام نہ لیتا۔ تو سو چند تو کیا ہزار چند قیمت پہ بھی اس بستی میں زمین ہاتھ نہ آ سکتی۔ اور اس طرح اس شمع روحانی کے پروانے تڑپ تڑپ کر ہی جان بحق ہو جایا کرتے۔ یہ احسان اتنا بھاری اور قابل شکر گذاری ہے کہ ہماری نسلیں بھی اگر نسلاً بعد نسلٍ اس کی شکر گذاری ادا کرنے میں قربان ہو جائیں۔ تو

حق شکر گذاری

... ادا نہ ہو سکے گا۔ مقدس اگر ... جمع کرنے تک خواہاں ہوتے ... سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا کہ زمینیں روک رکھتے ... حسن و صداقت کے شیدائی۔ اخلاص و عقیدت کے ... خدا کے فدائی۔ قادیان کی مقدس بستی اور جوار ... میں گھر بنانے کے لئے ہر قیمت پر اراضی حاصل کرنے

کو تیار ہو جاتے۔

اس طرح نہ صرف اس کریم النفس خاندان نے اپنی روایتی فیاضی فطری مروت اور خاندانی امتیاز کو صرف اپنے خدام اور عقیدت کیشوں تک ہی محدود رکھا۔ بلکہ اس ذریعہ سے اپنی قدیم غریب رعیت پر بھی بہت بڑا احسان فرمایا۔ ورنہ یہ غریب روپیہ کی لالچ میں کبھی کے اپنے گھر بار بیچ گھر سے بے گھر اور بے خانماں ہو چکے ہوتے جن کو پھر قادیان میں زمین کا ملنا قریباً محال ہی تھا۔ اور احمدیوں میں سے متوسط الحال اور غریبوں پر یہ رحم ہوا۔ کہ زیادہ قیمت ہوتی تو وہ بھی خرید نہ سکتے۔ اور محروم رہ جاتے۔ کئی ایسے میرے علم میں ہیں۔ جنہوں نے روپیہ کی طمع سے گھر بیچ دیئے۔ مگر پھر باوجود کوشش کے بھی وہ قادیان میں گھر نہ بنا سکے۔ کئی ایسے میرے علم میں ہیں۔ کہ انہیں ان رعیت پرور۔ غریب نواز اور رحیم بزرگوں نے قیمتی اراضیات بالکل مفت دے دیں۔ اور اس میں احمدی۔ غیر احمدی بلکہ مسلم و غیر مسلم کی بھی تمیز نہ فرمائی۔ ایسے لوگ بھی میرے علم میں ہیں۔ جنہوں نے بالکل تھوڑی قیمت پر زمین خریدی۔ اور کچھ عرصہ بعد پچاس پچاس بلکہ ساٹھ گنا تک پر فروخت کر کے بہت بڑا فائدہ حاصل کر لیا۔

ناخواندگی جہالت کا ازالہ

اور تعلیم کا چرچا تو قادیان اور اس کے گرد و نواح میں خدا کے فضل سے اس طرح ہوا۔ کہ اس کی مثال ہندوستان بھر میں نہیں مل سکتی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ایسا علم و عرفان کا نور اپنے ساتھ لائے تھے جس نے جہالت کی تاریکیوں کو دور کر کے علوم ظاہری و باطنی۔ دینی اور دنیوی کا ایک دریا رواں کر دیا کجا وہ زمانہ کہ معمولی شُد بُد کے آدمی بھی ڈھونڈے نہ ملا کرتے تھے۔ کجا یہ دن کہ اس مقدس بستی میں جاہل و ان پڑھ کا ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ احمدیوں میں تو سیدنا امیر المومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریک کے ماتحت اب خدا کے فضل سے سو فیصدی پڑھے لکھے لوگ موجود ہو گئے۔ اور اتنا بھاری نتیجہ ہے۔ کہ تہذیب و تمدن کے اُن ممالک میں بھی اس کی نظیر شاید نہ مل سکے۔ جو اپنے آپ کو علم و ہنر کا گہوارہ سمجھتے ہیں۔ کئی سال گذرے بعض زندہ دل بامذاق بزرگوں نے ایک جلسہ کر کے خدا تعالیٰ کے سلسلہ کے مضمون پر قادیان میں مقیم دوستوں سے مختلف زبانوں میں تقریریں کرائیں۔ غالباً چالیس مختلف زبانوں کے جاننے والے مختلف ممالک کے لوگ تو اسی زمانہ میں موجود تھے۔ اب تو خدا کے فضل سے اور ترقی ہو چکی ہے۔

فتبارک من علّم و تعلّم

آج قادیان کی اس مبارک بستی میں خدا کے فضل سے تین ہائی سکول کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ جن کے ساتھ تین ہی الگ الگ اپنے اپنے پرائمری سکول بھی ہیں۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈ پرائمری سکول ان کے علاوہ۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول جس میں ۶۲۵ طلباء تعلیم پا رہے ہیں۔ اور تعلیم مروجہ کے علاوہ دینی تعلیم کا کورس بھی خاطر خواہ رکھا ہوا ہے۔ اس مدرسہ کی عمارت ایسی شاندار اور اتنی خوبصورت ہے کہ پنجاب بھر میں اس کے مقابل کی دوسری عمارت ہائی سکول کی موجود نہیں۔ اس سکول کی عمارت کا تخمینہ

ایک لاکھ دس ہزار

روپیہ تھا۔ مگر بالائی منزل ابھی نہیں بنائی گئی۔ اور موجودہ عمارت اکہتر ہزار روپیہ کے خرچ سے زیر نگرانی مکرمی قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی تیار ہوئی۔ نقشہ و تخمینہ بھی انہیں کا تیار کردہ ہے۔ ایک بورڈنگ ہے جس کا نقشہ و تخمینہ اُستاذی محترم ملک نور الدین صاحب مرحوم نے بنایا۔ اور تیاری زیر نگرانی قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی ہوئی۔

دوسرا نصرت گرلز سکول ہے جو سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام پر معنون ہے۔ اس میں ان دنوں ۵۱۳ طالبات داخل ہو کر تعلیم پا رہی ہیں۔ اس کی عمارت پر بائیس ہزار سے زائد روپیہ صرف ہوا۔ تعلیم کے لحاظ سے اس میں ایک بہت بڑی خصوصیت سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی کی توجہات کی طفیل رکھی گئی ہے۔ کہ مڈل کی تعلیم کے بعد طالبات کے لئے تین سالہ دینی کورس مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس طرح طالبات دینیات میں بھی اچھی خاصی مہارت حاصل کرتی ہیں۔

تیسرا ڈی اے وی ہائی سکول ہے۔ جس میں تخمیناً ۲۶۵ طلباء داخل اور مصروف تعلیم ہیں۔

ڈسٹرکٹ بورڈ پرائمری سکول میں ۱۰۲ طالب علم اور تین استاد ہیں۔ یہ تو ہوئیں مروجہ تعلیم گاہیں۔ جن کے طلباء و طالبات کی مجموعی تعداد

اٹھارہ سو پانچ

ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ دینی تعلیم کے لئے ایک علیحدہ سکول مدرسہ احمدیہ کے نام سے جاری ہے۔ جس کے ساتھ بھی ایک بورڈنگ ہے۔ اس مدرسہ میں دینیات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مروجہ تعلیم انگریزی، حساب، جغرافیہ، سائنس وغیرہ بھی دی جاتی ہے۔ قرآن و حدیث اور ان کے خادم علوم عربی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ سات سال کا کورس ہے۔ اس سکول میں

اڑھائی سو طلباء

تعلیم پا رہے ہیں۔ جن میں حافظ کلاس اور متفرق کلاسز کے طلباء بھی شامل ہیں۔ اس سکول کے سات سالہ کورس پورا کرنے کے بعد مولوی فاضل کی مروجہ ڈگری کی تیاری کے واسطے دو سالہ کورس مقرر ہے جو

جامعہ احمدیہ

میں پورا کرایا جاتا ہے۔ اور فخر کا مقام ہے۔ کہ آج تک کئی سو مولوی فاضل ...... اس درسگاہ سے تیار ہو کر نکل چکے ہیں۔ مولوی فاضل پاس کر لینے کے بعد منتخب قابل نوجوانوں کو تبلیغی ضروریات کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح دو سال اور میں مبلغین کلاس کا کورس پورا ہو جاتا ہے۔ جہاں علاوہ عربی زبان کی تحصیل کامل کے انگریزی اور سنسکرت وغیرہ کی تعلیم کا بھی تسلی بخش انتظام ہے۔ اس جامعہ میں آج کل ... طلباء تعلیم پا رہے ہیں۔ جس کی عمارت کا نقشہ تخمینہ اور تیاری بھی قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی ولد قاضی ضیاء الدین صاحب مرحوم قاضی کوٹی کے ہاتھوں ہوئی۔ اور یہ عمارت

ستائیس ہزار روپیہ

کے خرچ سے تیار ہوئی۔

یہ تو ہوئی تعلیم بذریعہ باقاعدہ مدارس۔ مگر حقیقت یہ ہے

قادیان میں سلسلہ تعلیم اور درس و تدریس باقاعدہ مدارس ہی پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہاں ہر گھر ایک درسگاہ۔ ہر دکان ایک مدرسہ اور ہر مسجد ایک تعلیم گاہ ہے۔ بلکہ اس بستی کے کوچوں میں علم و عرفان کے خزائن موجود ہیں۔ جہاں سے ہر کوئی اپنے ظرف و استعداد کے مطابق نور علم و عرفان حاصل کرتا۔ اور چشمہ فیض بنکر دوسروں کو بھی سیراب کرتا ہے۔

یہ تمام برکات خدا کے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل اس بستی پر کچھ ایسے باران رحمت بن کر نازل ہوئے کہ جہالت و تاریکی کی بجائے اب یہ

علم و فضل

کا ایسا مرکز بن چکی ہے۔ کہ آئندہ علم صحیح وہی ہوگا۔ جس کی تصدیق اس مرکز سے ہوگی۔ اور نور معرفت وہی ہوا کرے گا۔ جس کا منبع قادیان ہوگا۔ ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ دونوں کی بنیاد سیدنا حضرت اقدس ہی کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔ جو خلافت اولیٰ میں جاری و ساری رہے۔ مگر ایک زمانہ ان دونوں اداروں پہ ایسا آیا تھا۔ کہ اگر ہمارے موجودہ امام۔ اولوالعزم خلیفہ برحق

فضل عمر سیدنا محمود

خلیفۃ المسیح الثانی حضور سے تائید اور روح القدس پاکر ان کی حمایت و حفاظت میں نہ کھڑے ہو جاتے۔ تو یکے بعد دیگرے دونو کا صفایا ہو چکا ہوتا۔ چنانچہ جب سے اب تک آپ ہی کی سرپرستی میں جہاں یہ دونو بڑھتے پھولے اور پھلے وہاں اور بھی تمام ترقیات آپ ہی کی توجہ مصالحانہ اور مشفقانہ روزانہ کوشش اور دعاؤں کی رہین منت ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ سفر لنڈن کے دوران میں جب سیدنا فضل عمر

خلیفۃ من خلفاء المسیح الموعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام دمشق میں عند منارۃ البیضاء رونق افروز تھے۔ سنٹرل ہوٹل میں نزول فرما تھے۔ علماء و فضلاء ملنے کیلئے آئے۔ سوال و جواب اور بحث مباحثہ کے جوش میں اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ طعن کیا۔ کہ آپ عجمی لوگ زبان عربی کو کیا سمجھیں۔ ہم اہل زبان ہیں۔ قرآن کے معانی و مطلب کو بہت بہتر اور کون سمجھے گا۔ تو حضور پُرنور نے اسی جوش میں ایک تقریر فرمائی۔ کہ وہی علماء ششدر اور انگشت بدندان ہو کر

فصیح فصیح

پکار اٹھے۔ اسی تقریر میں حضور نے فرمایا۔ کہ:۔

"تمہارا یہ چھوٹا ناز بھی توڑ دیا جائے گا۔ کہ تم اہل زبان ہو۔ اور تم سے اچھی عربی نہ کوئی بول سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ یاد رکھو۔ کہ ہم نہ صرف اپنے بہشتی اور مقبول بلکہ خادمات اور خدام تک کو ایسی عربی سکھا دیں گے۔ کہ تم ان کا بھی

مقابلہ نہ کر سکو گے"

چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں دیکھے۔ کانوں سُنے۔ اور حضور کے اس فرمان کی صداقت مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کہ قادیان کی مخلوق خدا کے فضل سے ماتحت زیر سایہ خلافت کیا سے کیا ہو چکا ہے۔ الحمد للہ۔

یہ تو چھوٹے ظاہری علوم اور مروجہ کورس جو قادیان کی اس بستی میں جاری ہیں۔ جو آج سے چالیس بیالیس برس قبل تعلیم سے بالکل کوری اور خالی تھی۔ قادیان سے نکل کر کالجوں میں بی اے۔ ایم اے۔ اور آنرز تک کی ڈگریاں حاصل کرنے والے اور بقول ایڈیٹر صاحب زمیندار:۔

"میری حیرت زدہ نگاہیں بحسرت دیکھ رہی ہیں کہ بڑے بڑے گریجوایٹ اور وکیل اور پروفیسر معہ ڈاکٹر جو کونٹ اور ڈیکارٹ اور ہیگل کے فلسفہ تک کو خاطر میں نہیں لاتے ...."

ایسے تعلیم یافتہ معزز و مکرم بندگان عالی جناب بھی اسی محترم بستی کے تلمیذ اور انہیں سے نور علم کے زیور سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ یہ تو ہوئی ایک خالی دنیاوی سلسلہ کی شہادت

والفضل ما شهدت به الاعداء

اپنے تو اپنے رہے بیگانوں اور غیروں کی شہادت ہے۔ مگر اسی پر بس نہیں۔ ایک مولوی ثناء اللہ جو بطور ایک ضرب المثل گویا عام علاقہ میں زبان زد خلائق ہے۔ قادیان کے علم و فضل کا چرچا اور فوقیت کی ظاہر ہے۔ وہ یہ ہے کہ قادیان میں رہنے والا کوئی بھی آدمی بیرون جات میں چلا جائے۔ علاقہ بھر کے لوگ ہندو ہوں یا سکھ۔ مسلمان ہوں یا عیسائی سبھی اس کو

قادیان کا مولوی

کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ اس

آوازۂ خلق کو نقارۂ خدا

ہی بنا کر چھوڑا +

اس کے علاوہ ایک وہ علم ہے۔ جو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام براہ راست خدا سے لائے ہیں۔

علوم روحانیت

ایسے ہیں۔ جو نہ کسی سکول میں بلکہ کالج سے حاصل ہوتے اور نہ ہی دنیا کی کسی یونیورسٹی سے سیکھے اور پڑھے جا سکتے ہیں۔ وہ علوم صرف اور صرف سلسلہ و تبلیغ کی معیت۔ اس کی غلامی اور خدمات کی طفیل میسر آتے ہیں۔ آج ساری دنیا چھان مارو۔ قادیان کے سوا کبھی دوسری جگہ نہ پاؤ گے۔ یہی وہ علوم ہیں۔ جو خدا کے نبیوں کی صحبت سے ملا کرتے یا ان کے خلفاء کی تربیت قدسی اپنے متبوع کی کامل پیروی اور کامل اطاعت سے جذب کر کے پھر دوسروں تک پہنچایا کرتی ہے۔ یہی وہ علوم ہیں۔ جن کی تحصیل کے لئے لوگ قادیان میں جمع ہوتے اور مرد۔ عورت۔ بوڑھے کیا بچے سبھی علیٰ قدر مراتب ان علوم کو سیکھتے اور پڑھتے ہیں اور سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاری کردہ

علم کلام

کی وجہ سے ہیں ہر علم کے ماہر۔ ہر فن میں طاق اور ہر کمال کے حامل کو زانوئے ادب تہ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

فتبارک من علّم و تعلّم

جہالت کے دور ہو جانے اور نور علم کے حصول کے بعد ظلمت و نادانی کا جہل دور ہوتا گیا۔ اور لوگوں کے لباس اور زبان کے نقائص بھی دور ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ آج جدھر دیکھو۔ لوگ اخلاق و شرافت کے پتلے۔ تواضع و ملنساری کے مجسمے نظر آتے ہیں۔ بات کرنے میں ادب۔ کلام میں شیرینی اور رفتار میں میانہ روی پیدا ہو رہی ہے۔ خدا چاہے تو وہ دن دور نہیں کہ اپنے آقائے نامدار سیدنا حضرت فضل عمر۔ محمود مسیح۔ اولوالعزم سیدنا محمود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی توجہات و دعاؤں اور سرپرستی میں زمین پر

چلتے پھرتے فرشتے

نظر آنے لگیں گے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز +

مساجد

یہ مضمون کے پہلے حصہ میں لکھ چکا ہوں۔ کہ اس زمانہ میں کل دو مساجد اس بستی میں خالص ہماری تھیں۔ مگر آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے دس اور عظیم الشان مساجد کا اضافہ ہو کر ہماری مساجد کی تعداد

دو سے بارہ

ہو چکی ہے۔ پہلی دو مساجد میں سے ایک حضرت اقدس کے والد صاحب محترم نے تیار کروائی تھی۔ جو مسجد اقصیٰ کے نام سے موسوم ہے۔ اور دوسری خود سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی مسجد ہے۔ یعنی مسجد مبارک۔ باقی دس میں سے دو یعنی مسجد فضل واقعہ محلہ ارائیاں اور مسجد نور واقعہ دارالعلوم سیدنا نورالدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں تعمیر و آباد ہوئیں۔ باقی آٹھ مساجد حضرت

امیر المؤمنین

خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے عہد خلافت میں ہی خدا کے فضل سے آباد ہوئیں۔ چونکہ مسجد اقصیٰ اور مسجد مبارک دونوں میں اصل شکل تھی کہ بعد توسیع و تبدیلیاں ہوگئی ہیں لہذا ان کا ذکر بھی اس ذیل میں کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مسجد مبارک

کی توسیع جو سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ ہی میں آپ کے روبرو ۱۹۰۷ء میں ہو چکی تھی۔ اس پر مزید وسعت یا ترمیم ابھی تک اور نہیں ہوئی۔ البتہ سیدنا امیر المؤمنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریک توسیع مساجد کے ماتحت اس مسجد کو بڑھانے کے لئے اراضی حاصل کی جا چکی ہے۔ جس کا رقبہ کوچہ وغیرہ چھوڑ جانے پر تخمیناً بارہ سو فٹ مربع ہو جائے گا۔ جو مرزا گل محمد صاحب رئیس قادیان نے اپنی دو دکانات خاص سے بطور عطیہ برائے توسیع مسجد مبارک پیش کیا ہے۔ اور موقع کے لحاظ سے نہایت قیمتی اور معقول آمد کا ذریعہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس ایثار کو قبول فرما کر سعادت دارین سے بہرہ ور فرمائیں۔ اس طرح موجودہ مسجد مبارک توسیع کے بعد قریباً دوگنی ہو جائیگی +

مسجد اقصےٰ

اصل مسجد کا رقبہ زیر گنبد تقریباً چار سو مربع فٹ مسقف اور ساڑھے ... تیرہ سو مربع فٹ بصورت صحن تھا۔ منارۃ المسیح کی بنیاد کے ساتھ ہی اس مسجد کی توسیع بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے کروائی۔ جس سے مسجد اقصےٰ کا صحن قریباً ... ۳۲ مربع فٹ بڑھ گیا۔ اوّل فرش صحن اور اس اضافہ کا امتیاز نمایاں موجود ہے۔ اور کنواں۔ مزار شریف نیز منارۃ المسیح مسجد کے صحن میں شامل ہو گئے۔ مشرقی کوچہ کو مسقف کر کے غسل خانے اور وضو کے لئے پانی کا انتظام کر دیا گیا۔ اور اس طرح صحن پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گیا تھا۔ مگر جماعت کی ترقی کے ساتھ ہی مسجد کی وسعت کی ضرورت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں اصل مسجد کے جنوبی جانب ۴۴ فٹ ۱۵۷ فٹ قریباً ... مربع کا ایک اور کمرہ بنایا گیا۔ جس کے نیچے سامان کے لئے سٹور بھی ہے۔ اور صحن میں بھی کچھ ایزادی ہوئی۔ جس کے آثار اب بھی نمایاں اور بیّن نظر آ رہے ہیں۔ مگر باوجود ان تمام زیادتیوں کے جمعہ کے اجتماعات کے لئے مسجد پھر بھی تنگ ہی تھی۔ اور لوگ ارد گرد کے مکانات کی چھتوں اور گلی کوچوں میں بھی نہ سما سکتے۔ تو اللہ تعالےٰ نے

سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی توجہ اور زیادہ توسیع کے لئے پھیر دی چنانچہ حضور کے ارشادات کے ماتحت یہاں جماعت نے مال و زر پیش کیا۔ وہاں کارکنان نے حضور کی ہدایات کے ماتحت عملی امور کی انجام دہی میں محنت کوشش اور مستعدی سے کام کیا۔ سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور نے ایثار پیشہ اپنا مکان برائے نام قیمت پر دیکر ایثار و قربانی اور اخلاص کی ایک قابل رشک مثال قائم کر دکھائی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ اس طرح عہد خلافت ثانیہ میں مسجد اقصےٰ کی وسعت میں اتنا بڑا اضافہ ہو گیا کہ اصل مسجد اور اس کے بعد کے تمام اضافوں سے بھی قریباً اڑھائی گنا زیادہ آج اس مسجد کی وسعت ہے۔ تعمیر اوّل بلکہ دوسری ایزادی کے وقت بھی صرف دالان مسقف ہی تھے۔ کوئی دو منزلہ نہ تھے۔ یہ تمام کے تمام خلافت ثانیہ ہی کے کارنامے ہیں۔ سید سردار حسین شاہ صاحب اوورسیر جن کی زیر نگرانی یہ توسیع ہوئی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ ایزادی کل ... ۴۴ مربع فٹ کی ہے۔ جس میں سے ... اوپر کے حصہ میں مسقف وغیر مسقف ملاکر اور ... ۴۰ مربع فٹ کی ایزادی اس کے نیچے کے حصہ میں ہوئی۔ جہاں مستورات کیلئے نماز کی ادائیگی کے واسطے عمدہ کمرے بنائے گئے۔ اور چندہ دوکانات بجانب غربی کوچہ تیار ہوئی ہیں۔ اور گو ان تمام توسیع کے اخراجات کا اندازہ ... قریباً

اٹھ ہزار چھ سو چار نوے

روپیہ چار آنہ تین پائی ہے۔

منارۃ المسیح جس کی تعمیر و تکمیل کے ساتھ بہت کچھ بشارات اور ترقیات وابستہ تھیں۔ اور جس کی بنیاد سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے دست مبارک سے رکھی۔ جو بنیاد کے علاوہ سطح صحن مسجد سے چھ فٹ اوپر تک حضور ہی کے زمانہ میں تیار ہوا۔ اور وہیں رکا پڑا تھا۔ اس کی تعمیر و تکمیل بھی خلافت ثانیہ ہی میں ہوئی۔ منارۃ المسیح کا نقشہ اور تخمینہ سید عبد الرشید صاحب مرحوم برادر اصغر حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی نے بنایا۔ اینٹوں کیلئے ... میاں امام الدین صاحب عرف ماما دینے زمین ہبہ کر دی۔ اس کا ... خرچ ادا تھا۔ بنیاد بہت گہری۔ لمبی چوڑی اور کنکریٹ وغیرہ کے ذریعہ مضبوط کرائی گئی تھی۔ چھ فٹ سے اوپر کی تعمیر کا کام مکرمی قاضی عبد الرحیم صاحب بھٹی کی زیر نگرانی ہوا۔ اور

پانچ ہزار نو سو تریسٹھ روپیہ

کے خرچ سے منارۃ المسیح مکمل ہو گیا۔ بنیاد سے لے کر چھ سات فٹ بلندی تک کے اخراجات اس میں شامل نہیں۔ کلاک گھڑیاں۔ کھمبے۔ بجلی کا سامان و انتظام اور حالیہ سفیدی۔ نیز چندہ دہندگان کے اسماء کی لکھائی وغیرہ اُن اخراجات کے علاوہ ہیں۔ منارۃ المسیح کی بلندی ایک سو پانچ فٹ تین منزل ایک گنبد اور ۹۲ سیڑھیاں ہیں۔ اور اس پر ۲۹۸ نام چندہ دہندگان کے کندہ ہیں۔ روشنی کا یہ عالم ہے۔ کہ اندھیری رات میں پوری روشنی سے آدھ آدھ میل دور تک انگریزی اخبار اور کتابیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ کنواں اوپر تھا اور صحن میں حارج۔ اب اس کو نیچے کر کے سرنگ وغیرہ بنا کر صحن سے جدا کر دیا گیا ہے۔ مزار شریف کو بھی بند کر دیا گیا ہے اور آج کل تو اللہ کے فضل سے بجلی کی روشنی اور پنکھوں کے علاوہ لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام ہے۔ جس کے ذریعہ خطبہ بہت اچھی طرح تمام حاضرین تک پہنچ جاتا ہے۔ لاؤڈ سپیکر اور بجلی پنکھے دو بزرگوں یعنی حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور رضا صاحب نعیم ... مرحوم سپرنٹنڈنگ انجینیئر پشاور کی یاد تازہ رکھنے اور اُن کے لئے صدقہ جاریہ کا کام دے رہے ہیں۔

(۳) مسجد دار الفضل

محلہ دار الفضل میں واقع ہے۔ ایک کنال اراضی خاندان نبوت نے ازراہ کرم اس کی تعمیر کے واسطے وقف فرمائی۔ پانچ ہزار تراسی روپیہ کے صرف سے موجودہ صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ کنواں اور غسل و وضو کا انتظام ہے۔ اب قاضی سید غلام حسین صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ محکمہ ویٹرنری نے دس مرلہ اراضی اور مسجد کے ساتھ اپنی طرف سے وقف فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(۴) مسجد دار الرحمت

محلہ دار الرحمت میں واقع ہے۔ ایک کنال اراضی خاندان نبوت نے اپنی طرف سے اس کی تعمیر کے واسطے وقف فرمائی۔ اور قریباً تین ہزار روپیہ کے خرچ سے دالان۔ برآمدہ اور دیگر ضروریات فرش فروش اور کنواں و غسل خانہ وغیرہ تیار ہوئے۔ کنواں حکیم محمد عمر صاحب کی بیوی صاحبہ عزیزہ بیگم نے اور غسل خانہ اور کچھ حصہ فرش اندرونی حصہ مسجد بھائی محمود احمد صاحب کی سخاوت کا نتیجہ ہے۔ جزاہ اللہ فی الدنیا والآخرہ۔

(۵) مسجد نور یا دار العلوم

مسجد دار العلوم جس کا اصل نام مسجد نور ہے۔ اور حلقہ وار تقسیم کے لحاظ سے اس کا نام مسجد دار العلوم بولا جاتا ہے۔ سیدنا نور الدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں تیار ہوئی۔ سنگ بنیاد بھی آپ ہی نے رکھا تھا۔ بہت وسیع مسجد اور وسیع ہی صحن ہے قاضی عبد الرحیم صاحب کی نگرانی میں تین ہزار روپیہ کے خرچ سے تیار ہوئی۔ اس کے اخراجات کی فراہمی کا سہرا قبلہ حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب کے سر ہے۔ جنہوں نے نہایت محبت و اخلاص اور تندہی و جفاکشی و محنت سے فراہم فرمائے۔ جزاہ اللہ تعالےٰ فی الدنیا والآخرہ۔ مسجد مسقف اور صحن کا کل رقبہ ۶۰۰۰ مربع فٹ تھا۔ مگر عہد خلافت ثانیہ میں صحن میں ۲۰۴۴ فٹ کا اضافہ کرایا گیا کنواں متصل اور نل صحن کے ایک کونہ میں سایہ دار درخت برگد کے قریب واقع ہے۔ اراضی زیر مسجد خاندان نبوت کی ملکیت سے مفت ملی تھی۔

(۶) مسجد دار البرکات

اراضی اس مسجد کے لئے بھی ایک کنال خاندان نبوت ہی کا عطیہ ہے۔ تعمیر ایک دالان ۱۷ × ۳۱ فٹ مع صحن وغیرہ قریباً دو ہزار روپیہ صرف ہوا۔ نل پانی کے واسطے موجود ہے۔

(۷) مسجد دار الفتوح

زیر سقف ۱۷ × ۳۱ فٹ کمرہ مع محراب۔ کھڑکیاں اور دروازے وغیرہ کا خرچ قریباً بارہ سو روپیہ ہوا۔ ایک کنال اراضی خاندان نبوت کی عطا و سخاوت کا نتیجہ اور یہ تعمیر جماعت محلہ اور احباب قادیان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ جگہ بارش وغیرہ کی وجہ سے نشیب ہو چکی تھی جس کو بھرتی ڈال کر محنت اور کوشش سے ہموار کیا گیا۔ نل اس مسجد کا مکرم محترم حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے بطور صدقہ جاریہ لگوا دیا جس سے خلق خدا فائدہ اٹھاتی اور دعائیں دیتی ہے۔

(۸) مسجد سٹار ہوزری فیکٹری

احمدیہ بازار کے دوستوں نے محنت اور کوشش کر کے چندہ سے مسجد بنا کھڑی کی۔ اراضی زیر مسجد خاندان نبوت کی عطا ہے۔ جو انہوں نے اپنے مبارک کام مرحوم شیخ نور احمد صاحب کو بطور ہبہ علاوہ اور اراضی کے عطا فرمائی تھی۔ سات سو دو مربع فٹ رقبہ مسقف و صحن ہے۔ کنواں اور غسل خانہ برابر موجود ہے۔

(۹) مسجد دار السعت

بارہ مرلہ اراضی زیر مسجد والی محلہ کی محنت کوشش اور قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ جس کے لئے خواجہ شمس الدین صاحب لائق صد آفرین و مرحبا ہیں۔ مگر انہوں نے صرف کچھ اینٹیں ... ... کوشش کر کر کے ایک نہایت ہی خوبصورت مسجد کھڑی کر دی۔ جس میں زیر سقف قریباً چالیس آدمی باسانی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور اس سے ڈیوڑھے صحن میں۔ باقی اراضی محدود بہ چار دیواری باغیچہ یا آئندہ ترقی میں وسعت مسجد کے لئے محفوظ ہے۔

(۱۰) مسجد فضل مسجد حلقہ ارائیاں

قریباً آٹھ ... ... رقبہ ... زیر سقف ۹ × ۲۴ فٹ اور باقی صحن۔ ... وغیرہ خلافت اولیٰ کی یادگار ہے۔ جو دراصل پہلے بھی کبھی اسی غرض کے لئے وقف ہوئی۔ مگر بعد میں لوگوں نے کوٹھڑیاں بنا کر مویشی باندھنا شروع کر دیئے تھے۔ سیدنا حضرت خلیفہ اولؓ کو اس کا بہت رنج اور درد تھا۔ آخر آپ کی توجہ سے یہ مسجد کی صورت میں مکمل اور محدود ہو گئی۔ الحمد للہ۔

(۱۱) مسجد محلہ ناصر آباد

قبلہ حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب مرحوم مغفور کی یادگار جو آپ نے محلہ دار الضعفاء کے نمازیوں کے واسطے تعمیر کرائی۔ مگر سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے ابتداءً اس میں نماز باجماعت کی اجازت نہ دی۔ مگر اب کہ ہماری مساجد نمازیوں پر تنگ ہونے لگیں۔ حضور نے اس کو بھی نماز باجماعت کے لئے کھلوا دیا۔ نیز ... محلہ ... اور نور ہسپتال بھی قبلہ حضرت نانا جان محترم کی یادگار ہیں۔ زیر سقف رقبہ ۲۹ × ۱۰ فٹ اور صحن ۴۵ × ۲۴ فٹ۔ کنواں بالکل متصل ہی واقع ہے۔ محلہ کا نام بھی سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز

...سے اسے شعفاء سے تبدیل فرما کر

محلہ ناصر آباد

تجویز فرمایا۔ چنانچہ اب اسی نام سے یہ محلہ یاد کیا جاتا ہے۔

(۱۲) مسجد دار الانوار

یہ مسجد ایک کنال اراضی پر بنائی گئی ہے۔ نہایت خوبصورت اور وسیع اور شاندار مسجد ہے۔ بلکہ اور وسعت کی گنجائش بھی رکھ لی گئی ہے (اندرونی) مسقف دو حصوں میں۔ آگے پیچھے ۴۱ × ۳۷ فٹ اور صحن مکمل ... ۴۸ × ۴۸ فٹ ہے۔ غسل خانے دو اور نل پانی کیواسطے۔ ... خدام مسجد کا کوارٹر علیحدہ۔ یہ بھی پانچہزار روپیہ کے خرچ سے ... سید محمد سرور شاہ صاحب ... حسین شاہ صاحب مکمل ہوئی۔

یہ تو ہیں باقاعدہ مساجد۔ بعض ان کے علاوہ بھی ہیں۔ مثلاً نور ہسپتال میں ایک بیوت نماز کے لئے بنا ہوا ہے۔ جہاں بیمار اور ان کے ... کے علاوہ بعض اوقات کارکنان ہسپتال بھی نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اذان ہوتی۔ اور باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح بعض اور بھی مخصوص چبوترے ہیں۔ جن کا ذکر میں نے نہیں کیا۔ اگر ان عبادت گاہوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ تو

بجائے بارہ کے بیس

ہو جاتی ہیں۔

ایک امر اور قابل ذکر ہے۔ کہ خالی مساجد کی کثرت۔ وسعت۔ یا شوکت و عظمت کوئی چیز نہیں۔ دنیا میں ہزاروں لاکھوں عالیشان عمارات مساجد کے نام سے ایسی موجود ہیں۔ جو ویران اور غیر آباد پڑی ہیں۔ نمازیوں کی بجائے مویشی اور جنگلی جانور ان میں گھسے رہتے ہیں۔ مسجد اگر آباد نہیں۔ جس غرض و غایت کے لئے مساجد بنائی جاتی ہیں وہی مفقود ہو۔ تو ایسی مساجد بجائے برحمت کے زحمت اور لعنت کا موجب ہو جایا کرتی ہیں۔ اور قوموں کی زندگی کی علامت ہونے کی بجائے موت اور زوال کا نشان اور پیش خیمہ ہوا کرتی ہیں۔

میں نے یہ قادیان کی ترقی کے ذکر کے ذیل میں دو سے بارہ مساجد کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اتنا اور بڑھا دینا ضروری ہے کہ مذکورہ مساجد میں سے ایک بھی ایسی نہیں۔ کہ نماز کے اوقات میں اذان نہ ہوتی ہو۔ یا نمازی نہ آتے ہوں۔ بلکہ خدا کا اتنا بڑا فضل ہے کہ سبھی میں باقاعدہ پنجوقتہ اذان ہوتی۔ اقامت ہوتی اور باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ نہ صرف ایک دو بلکہ نمازی اس کثرت سے جمع ہوتے ہیں۔ کہ مساجد ہماری باوجود فراخ ہونے کے تنگ نظر آنے لگتی ہیں۔ بڑے بوڑھے، امیر غریب، بلکہ عورتیں اور بچے تک خدا کے فضل سے تمام کے تمام نماز کے پابند اور مساجد کی زونق بنتے رہتے ہیں۔ ذکر اذکار سنتن اور نوافل گذارنے والوں سے ہماری مساجد معمور رہتی ہیں۔ رات کے اندھیروں بلکہ سنسان گھڑیوں میں بھی اور دن کے اجالے میں بھی۔ مستورات کے لئے ہماری مساجد میں علیحدہ با پردہ انتظام ہے۔

علاوہ نماز باجماعت کے روزانہ قریباً ہر مسجد میں درس قرآن درس حدیث اور درس کتب سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں۔ معارف و حقائق، نصیحت و واعظ اور تقویٰ طہارت پر تقریریں ہوتی ہیں۔ مسجد اقصیٰ کا درس حدیث جو حضرت میر محمد اسحاق صاحب دیا کرتے ہیں۔ مسجد مبارک کا درس قرآن و حدیث جو حضرت مولانا مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب دیتے ہیں۔ کتنے کیف آور۔ پُرمغز۔ اور بابرکت ہوتے ہیں۔ دیکھنے اور سننے اور فائدہ اٹھانے کے قابل ہیں۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

... روزانہ معمول ہے۔ ماہ صیام میں جو کچھ ان مساجد میں رونق و آبادی ہوتی ہے اس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ٭

کنواں ہمارا

صرف ایک ہی تھا۔ جو مسجد اقصیٰ کے صحن میں بانیٔ مسجد علیہ الرحمۃ نے بنوایا۔ اس کے بعد سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الدار میں بننے والے کنوئیں کی تاریخ کسی قدر تفصیل چاہتی ہے کن حالات میں اور کس طرح وہ بنا۔ سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طعن کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں فوری احکام کے ماتحت

رات اور دن ایک کر کے

سوائی ڈیوڑھی اجرت پر چاہ کن اور چاہ ساز مہیا کئے گئے۔ اور ہفتوں کا کام دنوں میں پورا کر کے یہ کنواں تیار ہوا۔ جس کو خدا نے نوازا اور اتنا بڑھایا۔ کہ آج اسی میں سے بجلی کے ذریعہ الدار کے ہر حصہ میں ضرورت کے مقام پر پانی مہیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا کنواں وہ بنا جو موجودہ بک ڈپو کے شرقی جانب واقعہ ہے۔ اس کا پہلا نام بورڈنگ کا کنواں ہوا کرتا تھا۔ اب ہمارے کتنے کنوئیں ہیں باوجود کوشش کے میں گن نہیں سکا۔ اور شاید کوئی بھی نہ گن سکے گا۔ مختصر یہ کہ ہمارا ہر گھر کنواں یا کم از کم نل تو ضرور رکھتا ہے۔ بلکہ بعض مکانات میں تو دو یا دو سے زیادہ کنوئیں اور نل ہیں۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ کم از کم آج ہمارا

پانسو کنواں یا نل

تو ضرور ہو چکا ہے۔ نل۔ نہروں اور دوسرے وسائل آب رسانی کی ایجادات کے ذریعہ قدرت نے غرباء کی ایسی مدد فرمائی ہے۔ کہ امیر تو درکنار غرباء بھی اس نعمت سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ اور جس طرح سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی پانی اور روحانی آبحیات سے دنیا کو سیراب فرمایا۔ اسی طرح جسمانی پانی کے حصول میں بھی سہولتیں مہیا فرما کر دنیا کو حصہ وافر عطا فرمایا ہے۔

مہمانخانہ اور لنگر

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان خاص تجلیات میں سے ہیں۔ جن کا قیام حضور پُرنور نے اللہ تعالیٰ کے خاص حکم کے ماتحت اشاعت و تبلیغ اسلام اور ہدایت و اصلاح خلق کی غرض سے فرمایا تھا۔ اور ان کا انتظام کلیتہً براہ راست حضرت اقدس کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ یہ ہر دو صیغہ جات جہاں گوناگوں برکات و فیوض کا موجب ثابت ہوئے۔ وہاں ان کی تاریخ بھی بہت لمبی تفاصیل اور دلچسپ حالات پر مشتمل ہے۔ میں یہ مضمون مکرم ایڈیٹر صاحب الفضل کے ارشاد کی تعمیل میں جوبلی نمبر الفضل کیلئے زیر عنوان مرکزی ترقی لکھ رہا ہوں۔ مضمون میرا پہلے ہی بہت لمبا ہو گیا ہے۔ اور میں خود محسوس کرتا ہوں۔ کہ ایک اخبار کی گنجائش سے ... مضمون کی کھپت مشکل ہو گی۔ ورنہ میں تفصیلاً لکھتا۔ کہ ہمارا مہمانخانہ ابتداءً کہاں تھا؟ کیسا تھا؟ کتنی اس میں گنجائش تھی؟ اور کیا کیا فرنیچر تھا۔ اور لنگر کی حالت کیا تھی؟ آٹا اور دیگر ضروریات کہاں سے آتیں؟ کن حالات میں آتیں۔ اور کون کون خوش بخت ان خدمات کی بجا آوری کا شرف پاتے۔ کہاں پکتا اور کیسے پکتا تھا؟ کون پکاتا اور کون اپنے مہمانوں کو لا لا کر محبت اور کس پیار سے کھلایا کرتا تھا۔

آہ اے میرے خدا مجھے کیا یاد آ گیا

اور

کس مقدس ہستی کے حسن و احسان

کا نقشہ میری آنکھوں میں پھر گیا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام دائماً فداہ نفسی و روحی ٭

مہمانخانہ ابتداء میں کوئی خاص موجود نہ تھا۔ نہ مقرر۔ آنیوالے خوش نصیبوں کے ناز اس زمانہ میں عموماً خدا کے برگزیدہ نبی و رسول علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام خود اٹھایا کرتے۔ اُن کی مہمان نوازی کا فرض براہ راست وہ حبیب الٰہی ادا کیا کرتے جن کی شان یہ تھی۔ کہ خود خدا نے اپنے عرش سے اُن کی تعریف و توصیف فرمائی۔

یحمدک اللّٰہ من عرشہٖ

کتنے ہی خوش قسمت اور قابل رشک وہ مہمان تھے۔ جن کا ایسا میزبان مہمان نواز ہو ٭

میں جس زمانہ کا ذکر کر رہا ہوں۔ اُن ایام میں اپنی جوانی تو حضرت مولانا مولوی نور الدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطب والے دالان اور شمال مغربی کوٹھڑی میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اور اکثر کو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے الدار کے بعض حصوں میں جگہ دیا کرتے۔ حضور آپ تنگ ہو لیا کرتے۔ تکلیف برداشت کر لیا کرتے۔ مگر مہمانوں کے آرام کا ہر کیف انتظام فرماتے۔ میں جب عالم خیال میں آج سے پینتالیس برس پیچھے جا کر حضرت کے الدار کا نقشہ سامنے لاتا ہوں۔ تو میرا دل ایک قسم کے کیف آور وجد۔ رقت آمیز درد اور پُرسوز گداز سے گداز ہو کر خون اور پانی کی طرح آستانہ الوہیت پر گر کر بہنے لگتا ہے۔ اور میرے قلب پر ...

انسان کامل کی عظمت

شوکت اور جبروت کا غلبہ و تسلط ہو کر اس کے حسن و احسان کے لاتعداد واقعات۔ ان گنت مثالیں۔ اور بے شمار نمونے یاد سے مستولی ہو جاتی اور اس مقدس ہستی کے لئے درود و ثنا کا ایک نہ رکنے والا جوش پیدا کر دیتی ہیں۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراہیم و علیٰ آل ابراہیم انک حمید مجید۔ اللّٰھم بارک علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراہیم و علیٰ آل ابراہیم انک حمید مجید۔ آمین ثم آمین۔

حضور کا مکان سارے کا سارا ہی گویا ایک مہمانخانہ تھا۔ جس کے دائیں بائیں اندر باہر۔ اوپر اور نیچے غرض ہر طرف مہمان ہی مہمان ہوا کرتے تھے۔ اُس زمانہ کا الدار بھی آپ یہ نہ سمجھ لیں۔ جو آج کل ہے۔ بلکہ بہت مختصر سا مکان تھا۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی توسیع اور اتنے اضافے اس میں ہو چکے ہیں۔ کہ پہلی حالت کا نقشہ بھی بہت مشکل سے خیال میں لایا جا سکتا ہے۔ جس میں رہنے والے مہمانوں کا اگر میں شمار لکھوں۔ تو دنیا تعجب کرنے لگے۔ کہ اتنے لوگ سماتے کہاں تھے۔ اور ان کی موجودگی میں کیونکر حضور ایسی اہم لطیف اور

دقیق ترین علمی تصانیف

فرماتے۔ اور مشاغل دینی کی انجام دہی سے عہدہ برآ ہوا کرتے تھے۔ سیدنا نور الدین اعظم وہاں رہتے۔ اور مع عیال رہتے تھے۔ ... قبلہ حضرت ناناجان مرحوم مغفور اور آپ کا خاندان۔ مولوی خدا بخش صاحب اور ان کے اہلیت مکر صاحب وغیرہ بھی۔ پیر جی افتخار احمد صاحب مع اہل و عیال۔ حافظ قدرت اللہ خان صاحب مرحوم تمام بال بچوں سمیت۔ میاں کرم داد صاحب مرحوم مع عیال۔ حاجی حافظ احمد اللہ خان صاحب مرحوم و مغفور اور ان کے بیوی بچے۔ ملک غلام حسین صاحب رہتاسی اور اُن کا سارا گھرانہ۔ اکبر خان صاحب مرحوم مع اہل و عیال اور بعض مقامی مغل خاندان کے یتامیٰ و بیوگان وغیرہ وغیرہ جن کا ماویٰ و ملجا ہی ایک گھر تھا۔ سارے تو اب یاد ہیں۔ ...

مجھے یاد کرنے سے پورے یاد ہی آتے ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب ... تو اس وقت حضرت اقدس نے الدار ہی کے حصہ میں پناہ دی تھی ... اس زمانہ میں مہمان خانہ باقاعدہ کوئی نہ تھا۔ آہستہ آہستہ اور بتدریج اللہ کریم رجوع و اقبال خلق کے ساتھ ساتھ اس کی ضروریات کے بھی سامان فرماتے گئے۔ موجودہ تمام مہمانخانہ کی دو کوٹھڑیاں پہلے پہل حضور نے تیار کرائیں۔ اگلا دالان بعد میں بنا ہے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مہمانخانہ میں اتنی وسعت اور ترقی ہو چکی ہے جسے دیکھکر دل باغ باغ ہوتا اور سجدات شکر بجا لاتا ہے۔ ... خوبصورت ۔ وسیع اور شاندار عمر نسٹد کوارٹرز اور کئی کمرے ... اور صحن کے اضافہ کے علاوہ محلہ دار الانوار میں ... نہایت ہی خوبصورت اور بڑے بڑے کمروں پر مشتمل ایک گیسٹ ہوس بھی تیار ہو گیا ہے۔ جس کے ساتھ تمام ضروریات باورچی خانہ غسل خانہ اور بیت الخلا کے علاوہ موٹر گیراج کی ضرورت کو بھی پورا کیا گیا ہے۔ اس عمارت میں ہزار روپیہ کی لاگت سے ... زیر نگرانی و سعی مکرم سید سردار حسین شاہ صاحب ... تکمیل کو پہنچی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان جوں جوں

الدار میں اضافہ و وسعت

ہوئی ۔ مہمانخانہ میں ترقی و ایزادی ہوئی ۔ توں توں خدا اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر لبیک کہنے والے اخلاص و عقیدت اور محبت و شوق سے ایام حبیب اور ... حرم کے حاضرین میں بھی اضافہ ایزادی اور ترقی ہی ہوتی چلی گئی ۔ حتیٰ کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الدار ... تمام وسعتوں اور فراخیوں کے باوجود اور مہمان خانے اور گیسٹ ہاؤس بھی مہمانوں کے لئے ہمیشہ تنگ ہی نظر آتے ہیں۔ اور ناظر صاحب ضیافت کو مہمانوں کے واسطے مکان اور ... کی ضرورت لاحق رہتی ہے۔

خدا کے پیارے مسیح کا لنگر

... اول گھر کے اندر ہی جاری ہوا۔ وہیں پکتا اور کھانا تیار ہو کر آتا تھا۔ ترقی ہوتی گئی ۔ تو توے کی بجائے لوہے کی کئی ... مگر چپاتیاں پکنے لگیں۔ سالن وغیرہ مکرم ملک غلام حسین صاحب رہتاسی تیار کر لیتے ۔ یہی بات اس کے قریب ہی قریب کا زمانہ ہے جب کہ بعض اوقات سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اپنے دست مبارک سے مہمانوں کے لئے کھانا اور ناشتہ وغیرہ لاکر پیش کیا کرتے ۔ بے وقت آنے والوں کے واسطے خاطر تواضع کا سامان مہیا فرماتے ۔ ایسا بھی ہوا کہ حضور کے مکان میں کھانا تناول فرماتے ہوئے کسی مہمان کی ضرورت یا آنے کی اطلاع دی گئی ۔ تو

اپنے سامنے کا کھانا ہی اٹھاکر

اس خوش بخت کے لئے بھیجدیا

کئی سال اسی حال میں گذر گئے۔ سلسلہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ لنگر نے بھی ترقی کی ۔ گھر کی بجائے باہر لنگر کا انتظام کرنا پڑا۔ روٹی کے لئے تنور کا اور دال سالن کے واسطے دیگچیوں کی بجائے بڑے دیگچوں اور پھر دیگوں کا انتظام ہوا۔ اور ایک سے دوسری ۔ دوسری سے تیسری اور تیسری سے چوتھی اور پانچویں جگہ تبدیلی و انتقال کے بعد کئی منازل طے کرتے ہوئے لنگر خانہ موجودہ مقام تک پہنچا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل ... مہمانوں کو آسانی کھانا مہیا ... کے مطابق مہمانوں کی آمد میں بھی اتنی ترقی ...

جلسہ خلافت جوبلی

... اور سامانوں کے

ناکافی ثابت ہوا ۔ اور اس مقدس تقریب کے لئے بہت زیادہ وسیع مقام پر لنگر خانہ لے جانا پڑا ۔ ناظم صاحب سپلائی جلسہ خلافت جوبلی محترم قاضی محمد عبد اللہ صاحب بی اے - بی ٹی سابق مبلغ لنڈن جنہوں نے نہایت محنت اور جانفشانی سے ضروریات جلسہ کی فراہمی کا انتظام کیا۔ اُن کی رپورٹ سے ذیل کے چند اعداد و شمار درج کرتا ہوں ۔ آج سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لنگر کی ترقی کا اندازہ اس سے کیا جا سکے گا کہ لنگر خانہ کی اپنی ملکیت میں

ایک سو سولہ دیگیں

موجود ہیں ۔ ناظر صاحب ضیافت کی تحریک پر پانصد روپیہ کے قریب اور خرید دیگ کی غرض سے آیا پڑا ہے۔ مگر باوجود اس کثرت کے جلسہ کی ضرورت کو پورا کرنے کے واسطے ساٹھ کے قریب دیگیں کرایہ پر یا بعض دوستوں سے مانگ کر کام پورا ہو سکا ۔ اور اس طرح کم و بیش ایک سو اسی دیگیں کوتا ہیری کرتے کرتے دال سالن یا چاول کی تیاری میں اور ایک سو تئیس تنور متواتر دن رات روٹی تیار کرنے میں مصروف عمل رہے۔ جن پر سوا دو سو کے قریب نان پز مقرر تھے ۔

آنے والے مہمانوں کا اندازہ عموماً خوراک کی پرچیوں سے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے علاوہ اس ابراہیمی نسل کے شمار کا اور کوئی طریق کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس جلسہ پر ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء لغایت ۲ جنوری ۱۹۴۰ء یعنی گیارہ دن میں

چار لاکھ اٹھائیس ہزار چار سو آٹھ

مہمانوں کو اس مقدس لنگر سے خوراک پہنچائی گئی ۔ یہ چند موٹی موٹی باتیں لکھکر باقی تفاصیل کو اللہ کریم پر بھروسہ کرتے ہوئے کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔ جب وہ پاک ذات کسی کتاب کے سامان فرماوے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم ۔

امر واقع یہی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی کہ ان ہر دو اہم ضروری اور مقدس ادارتی تدابت کی نہ صرف داغ بیل ہی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے خود اپنے دست مبارک ہی سے ڈالی۔ بلکہ نہایت ہی ناموافق اور مخالف حالات بے سر و سامانیوں اور مشکلات اور قحط و گرانیوں میں سے گذرتے ہوئے متواتر پچیس تیس سال تک ایسی کامیابی ۔ خندہ پیشانی فراخدلی بلکہ گہرے قلبی شوق اور ذوق سے آخری وقت تک اس

انبیائی خلق یعنی اکرام ضیف

کی بیل کو پروان چڑھایا۔ کہ سوائے خدا کے نبیوں اور رسولوں کے کسی اور کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔

آپ کے بعد آپ کے جانشین اول سیدنا نور الدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا ۔ تو آپ نے بھی ان کاموں کو جہاں باحسن طریق سنبھالنے کی سعی فرمائی ۔ وہاں پہلے کی نسبت ان کو ترقی بھی ہوئی ۔ مگر ان ترقیات کا عروج اپنے کمال کو پہنچا۔ تو سیدنا امیر المومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دور خلافت میں ۔ جن کی قوت عمل - دور اندیشی ۔ اولو العزمی ۔ انتظامی قابلیت اور علم و فضل کے ساتھ نور فراست ۔ مردم شناسی ۔ توکل علی اللہ یقین و عرفان اور تائید ایزدی رفیق حال ہے۔ جنہوں نے جہاں انتہائی مایوس کن حالات میں سے

سفینہ اسلام و احمدیت

کو سلامت گرداب مشکلات سے نکال کر بام اوج تک پہنچایا۔ وہاں خداداد ذہانت جوہر شناسی اور خداداد مسیحا نفسی کی طفیل

آپ نے چمن احمدیت کو کامل ترین ایک مالی کی طرح موزوں و مناسب گلہائے گوناگوں سے سجا کر باغ جناں بنا دیا۔ ایک فتح نصیب سپاہ سالار کی طرح جانبازاور تجربہ کار سپاہی موقعہ و محل کی اہمیت کے مد نظر مقرر فرماکر اس حصن حصین کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ اور ایک اعلیٰ درجہ کے تجربہ کار انجینیر کی طرح

قصر احمدیت

کی تعمیر میں مضبوطی خوبصورتی اور شان و شوکت کے ساتھ اس کی آرائش و زینت کے سارے ہی سامان جمع فرما دیئے۔ آپ نے سلسلہ کی باگ ڈور تھامتے ہی کمال دانشمندی سے تنظیم عمل کے زریں اصول کو عملی جامہ پہنا کر جہاں مختلف صیغہ جات کا بہترین انتظام فرمایا ۔ وہاں مہمان خانہ و انتظام لنگر کے لئے حضور کی نظر انتخاب

حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب

جیسے عالی دماغ منتظم ۔ بے ریا و بے لوث ۔ خادم خلق ۔ حلیم مزاج اور سلیم قلب ۔ رحم دل اور غریب پرور ۔ عالم باعمل ۔ متحمل بردبار اور محنت کش ۔ متقی و پارسا انسان پر پڑی ۔ اور خدا کا احسان ہے ۔ کہ حضور کا یہ انتخاب ایسا صحیح ۔ موزوں اور مناسب ثابت ہوا جیسے کسی قیمتی انگشتری میں ہیرے کا نگینہ ۔ چنانچہ حضرت میر صاحب جس خوبی و خوش اسلوبی سے خدمات مفوضہ کو بجا لاتے جس محنت اور کوشش سے کام کرتے ہیں۔ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ مہمان نوازی کوئی آسان کام نہیں ۔ خصوصاً لنگر کا کام ۔ جہاں ہر درجہ و طبقہ اور ہر مزاج و عادت کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ بڑے بڑے امراء اور فیلسوف لوگوں سے بھی ۔ متوسط الحال اور غرباء سے بھی ۔ سائل اور فقراء سے بھی ۔ بیمار اور ضعیفوں سے بھی ۔ اور عورتوں اور بچوں سے بھی ۔ مگر آپ جس حکمت ۔ سادگی اور دانشمندی سے کام کرتے اور ہر قسم ۔ ہر خیال اور ہر مزاج کے لوگوں سے تواضع اور شفقت کا سلوک فرماتے ہیں ۔ ہر کسی سے یہ ممکن نہیں ۔ مہمانخانہ کی توسیع اور دیگوں وغیرہ سامان لنگر کے لئے جس قسم کی مؤثر اپیلیں اور جس انداز محبت کی ترغیبیں آپ دلا دلا کر لوگوں کو مستحق اجر بناتے ہیں ۔

الدال علی الخیر کفاعلہ

ان تمام نیک کاموں میں آپ کو بھی اللہ کریم اجر و ثواب میں برابر کا حصہ دیگا ۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز ۔ مہمانخانے مکمل ہوئے ۔ دیگیں سوا سو کے قریب لنگر کی اپنی بن گئیں ۔ ڈائننگ ہال بھی ضرور جلد انشاء اللہ تعالیٰ پایہ تکمیل کو پہنچیگا۔ کام کے مناسب حال آدمیوں کا مل جانا بھی بہت بڑی نعمت ہے ۔ جو ہمارے آقا سیدنا فضل عمر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔ مگر آپ جیسے آقا کی سرپرستی اس سے بھی کہیں بڑھکر انعام ہے۔ جس کی ایک نظر ہی ایسا کیمیا اثر

نالائق کو لائق اور نااہل کو اہل

بنا دیتی ہے۔ جس کی توجہ ہی میں بہت بڑا پاور ہوس پنہاں ہے کہ سورج آن کرتے ہی ظلمت نور میں تبدیل ہو جاتی اور ناقابل بے کار قابل اور کام کے بن جاتے ہیں ۔ و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

الفرقان بین المبایعین والمنکرین

ہیں نے ان مدات میں کسی قدر تفصیل کے ذکر سے مناسب سے کام لیا ہے۔ جس کی ایک وجہ خاص یہ ہے۔ کہ میرے اپنے ذوق میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لنگر و ابستگان

[illegible] خلافت۔ مرکز سلسلہ اور تخت گاہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible] منکرین خلافت اور مرکز سلسلہ سے قطع تعلق [illegible] ہجرت کر جانے والوں کے درمیان بطور ایک

مابہ الامتیاز اور فرقان

[illegible] تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ اُن لوگوں کا [illegible] ہے۔ کہ سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے [illegible] انجمن کو اپنا جانشین بنا کر سلسلہ کے نظم و نسق [illegible] مال و منال کا واحد مالک اور متصرف [illegible] حضرت اقدس کی وصیت کو پس پشت [illegible] خلافت تسلیم کر کے پیر پرست [illegible] قطع نظر اس امر کے کہ منکرین خلافت کا یہ [illegible] حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی الوصیت [illegible] تعلیم و سنت اور واقعات بلکہ خود منکرین کے اپنے [illegible] سے کہاں تک پایۂ ثبوت کو پہنچتا اور ثابت [illegible] قطع نظر اس بات کے کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے الہام اور حکم کے ماتحت جو [illegible] کے چودہ ممبران کو نامزد فرمائے تھے۔ وہ

مجلس کارپرداز مصالح قبرستان

[illegible] صدر انجمن احمدیہ! جس کا وجود خواجہ صاحب کی خواہش [illegible] تحریک پر معرض وجود میں آیا۔

بفرض محال بطریق تنزل اُن کے اس دعوائے بے دلیل کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو اصحاب پیغام اور اُن کے اکابر کے پاس اُن مکروہ و سیاہ اعمال اور ناپاک کوششوں کی کیا وجہ جواز [illegible] نے معارف لنگر سے متعلق سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی امین و مقدس اور انتہائی صدق و [illegible] کے خلاف بدگمانیوں اور اعتراضات کے زہر [illegible] الزامات کے تیر برسائے۔ وہ وجود باجود جسے خدا کی [illegible] اور وہ نفس اطہر جس میں خود خدا نے اپنے پاس سے

روح الصدق پھونکی

[illegible] کو مظہر صفات جملہ انبیاء ٹھیرایا۔ اس پر زبان طعن دراز کی۔ اس کی امانت و دیانت پر حملے کرنا

کہاں کا اخلاص اور کیسی عقیدت ہے؟

مانا اور بفرض محال تسلیم کیا۔ کہ سیدنا مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الوصیت میں آپ ہی لوگوں کو کوتاہ دھونا۔ قوم کی نعمت اور سیاہ و سفید کا مالک اور اپنا جانشین قرار دیا۔ مگر خدا کے بندو! یہ تو بتاؤ۔ کہ لنگر کا انتظام کب حضور نے آپ لوگوں کے سپرد فرمایا تھا؟ اور کب اس مقدس اور انبیائی جائیداد اور خدائی کام کا آپ لوگوں کو مالک ٹھیرایا تھا؟ بلکہ برعکس اس کے آپ لوگوں کو کیا یاد نہیں کہ کس کس رنگ سے۔ کن کن طریقوں سے اور کن کن راہوں سے آپ لوگوں نے بار بار کوششیں کیں۔ کہ کسی طرح حضور پُرنور لنگر کا انتظام آپ لوگوں کے سپرد فرما دیں۔ مگر ہمیشہ ہی آپ لوگوں کو منہ کی کھانا پڑی۔

اتقوا فراسۃ المومن

خدا کے برگزیدہ مقدس نبی و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خداداد فراست اور نور نبوت کی روشنی میں آپ لوگوں کو اس خدمت کا اہل ہی نہ سمجھا۔ اور باوجود آپ کے اصرار کے انکار اور انکار ہی کرتے رہے۔ اور اس خدائی امانت کو جسے خدا نے اپنی حکمتوں کے [illegible] مخلوق کے لئے اس کے سپرد فرمایا تھا۔ زندگی بھر [illegible]

[illegible] کے مقام کو ہاتھ سے نہ جانے

رہتے۔ مبتلا ہوتا اور دین و دنیا میں فائدہ اٹھاتے۔ مگر وائے تہیدستیٔ قسمت اور شومیٔ اعمال کہ آپ لوگوں نے بدگمانی سے کام لیا۔ بدظنیاں کیں اور شیطان کے دھوکے میں آکر

جس مقدس ہاتھ پر توبہ کی تھی

اسی کو نعوذ باللہ خائن اور مسرف کہنا شروع کر دیا۔ افسوس۔ افسوس اور پھر افسوس۔ مگر باوجود ان باتوں کے اُس رحیم کریم انسان اور مجسمہ رحمت نے سمجھایا اور فرمایا۔ کہ:-

"خدا کا منشا یہی ہے۔ کہ میرے وقت میں لنگر کا
انتظام میرے ہی ہاتھ میں رہے۔ اور اگر اس کے
خلاف ہوا۔ تو لنگر خانہ بند ہو جائے گا" (رکنف الاختلاف)

مگر آپ ہی وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے باوجودیکہ خدا کے نبی و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے خدا کی مرضی و منشاء کو سنا اور معلوم کیا۔ خدا اور رسولؐ کو نہ چھوڑا۔ اور آخری وقت تک مخالفت برابر رہی حتیٰ کہ لاہور میں بھی اسی قسم کا خط پہنچا۔ اور حضور پُرنور کے پیش ہوا۔ سیدنا حضرت اقدس نے اس خط پر جو کچھ فرمایا۔ اور جس رنج اور غم اور خفگی و ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ (وصال سے غالباً ایک ہی روز پہلے یا شاید آخری ہی روز) وہ ان ہی میں نے اپنے کانوں سنا۔ جو مارچ ۱۹۳۹ء میں میں نے "سفرِ لاہور اور حضور کا وصال" کے زیر عنوان ایک مضمون میں لکھ کر قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ آپ لوگ کیا ایسے ہی

ایمان سوز۔ عقل خور اور نفاق پرور

کارناموں پر اتراتے۔ اکڑتے اور پُھولے نہیں سماتے ہیں! نامۂ اعمال میں ایسے سیاہ اور بدنما داغ اور دھبّے ہوں کہ دامن نیکیوں سے بھر پور اور اعمال بھی جمع ہیں

این خیال است و محال است و جنوں

یہ درست ہے۔ کہ آپ لوگوں نے سلسلہ کی خدمات کی ہیں۔ اور محبت و اخلاص۔ عقیدت و ایثار سے کی ہیں۔ قربانیاں بھی کی ہیں اور وہ بھی قابل قدر اور قابل رشک کی ہیں۔ مگر کیا آپ نے کبھی غور بھی کیا۔ اس بات کو سوچا بھی کہ

حصولِ قبضۂ لنگر کی حرص

میں جو کچھ آپ لوگوں سے سرزد ہوا۔ کہیں وہی تو سب کیا دھرا کھا نہیں گیا؟ اور ایمان و عمل کی داستان پارینہ قصہ ماضی اور کبھی گذری بات تو بن کر نہیں رہ گئی! آخر اپنے آقا و مطاع کی وہ پیار تو آپ کو یاد ہی ہوگی کہ۔

"آپ بھی صالح تھے۔ اور نیک ارادے رکھتے تھے۔
آؤ ہمارے ساتھ مل جاؤ"

ہمارے روٹھ کر بچھڑ جانے والے بھائیو! خدا را غور کرو۔ کہ روحانی خلافت یا جانشینی کے حصول کے یہی طریق ہیں؟ یاد رکھو ہمیشہ سے یہی سنت چلی آئی ہے۔ کہ خلافت و جانشینی کے حصول کا گُر کامل محبت۔ کامل اطاعت اور مقام فنائیت و بے خودی ہے۔ خلافت راشدہ پر غور کر لو۔ یہ سلسلہ بھی اسی سنت اور اسی منہاج پر قائم ہے۔ پس جن راہوں سے پہلے خلفاء جانشین ہوئے تھے۔ اب بھی صرف وہی راہیں خلافت و جانشینی کے لئے کھلی ہیں۔ زور و توڑ اور جبر و تشدد دنیوی امور میں تو ممکن ہے عارضی اور وقتی کامیابی کا منہ دیکھ سکے۔ مگر دین اور روحانیت کو دنیا اور معاملات دنیا پر قیاس کر لینا ہمالیہ سے بھی بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ یہاں تو وعدہ الٰہی

ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم الخ

ہی ایسا محکم۔ قوی اور یقینی و زور دار ہے۔ کہ کسی قسم کی گنجائش و رعایت ہی اس میں خدا نے نہیں رکھی۔

بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے؟

بھولے بھٹکے اور غلطی خوردہ دوستو! افسوس ہے۔ کہ آپ الوصیت کے تحت جانے

ہدایت و اخلاص اور صدق و سداد میں ترقی کرنے کے آپ کے لئے ٹھوکر کا موجب ہوئی۔ آپ کو اس کی تہ میں صرف ایک ہی بات یعنی ہوس حکومت ہی نظر آئی۔ جس کی حرص میں آپ کے خیال میں جو کچھ آپ کو ملا تھا وہ بھی گنوا بیٹھے۔ ٹھنڈے دل سے سوچو۔ غور کرو۔ اور تلافی مافات کر کے مرکز حقیقت و روحانیت کی طرف لوٹ آؤ۔ پھر دین کے ساتھ دنیا بھی پا سکو گے۔ لنگر خانہ کے معاملہ میں آپ لوگوں سے بہت بھاری غلطی سرزد ہوئی۔ جس کی تفاصیل نہایت ہی روح فرسا اور زہرہ گداز ہیں۔ جن سے پتھر بھی موم بنتے اور [illegible] ہو کر بہنے لگتے اور زمین و آسمان میں ایک زلزلہ و لرزہ آجاتا ہے۔ [illegible] نے جو کچھ خدا کے مقبول رسولؐ اور محبوب الٰہی سے اس بارہ میں سنا اور بحالتِ قہر و غضب میں نے اس وقت معائنہ کی۔ اس کے مدنظر میرے دل پر [illegible] یہی اثر تھا۔ کہ یہ

غضب بندے کا غضب نہیں بلکہ
خدا کی ناراضگی اور اسی کا غضب ہے۔

میں نے نہایت محبت بھرے دل اور ہمدردی کے جوش میں یہ کچھ آپ لوگوں کی توجہ کے لئے لکھا ہے۔ چھوٹے منہ سے نکلی ہوئی بات سمجھ کر ٹھکرا دیں نہ رد کریں۔ توجہ کریں۔ سوچیں اور غور کریں۔ ابھی وقت ہے۔ اب بھی تلافی کر لیں۔ خدا کرے میری یہ آواز جو محض خدا کے نام پر میں نے بلند کی ہے۔ بہرے کانوں نہ پڑے اور صدا بصحرا ثابت نہ ہو۔ اللہ کریم مجھ پر بھی اور آپ سب پر بھی رحم فرما کر حق و صداقت پر قائم و دائم رکھیں۔ آمین ثم آمین۔

نظارتیں وزارتیں اور دفاتر

اس عنوان کی بہت سی تفاصیل ہیں۔ جو ایک مستقل مضمون کے سوا بیان کی جا سکتی ہیں نہ دکھائی اور سمجھائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا نظام سلسلہ اتنا وسیع اور ایسا وسیع اور مکمل ہے کہ دشمن بعض اوقات حکومت کو بھڑکانے کے لئے ہمارے نظام کو متوازی حکومت کی شکل و صورت میں پیش کیا کرتے ہیں۔ دس نظارتوں یا وزارتوں پر مشتمل اسلامی طریق کا نہایت ہی خوبصورت اور شاندار جماعتی نظام سیدنا امیر المومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی کی زیر نگرانی و ہدایات چلایا جا رہا ہے جس میں

تین سو سے زائد کارکن

نہایت محنت کوشش اور تندہی سے کام کرتے ہیں۔ سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقاصد عالیہ کی نگرانی۔ آبپاشی و آبیاری اور تکمیل کا ایک خاکہ سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود خلیفۃ المسیح الثانی کی توجہات اور کارہائے نمایاں کی ایک مختصر سی تصویر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھی۔ پھولی اور پھلی ہے۔ کہ دور گزران کارکنوں کی ایک علیحدہ بستی بنائی جائے۔ تو نہایت ہی خوبصورت اور بارونق ایک قصبہ بن جائے۔ یہ تمام کام اسی مقدس کونپل کے باردبر اور برگ و ثمر ہیں۔ جس کا بیج خدا کے رسول ابراہیم ثانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے خدا کے حکم کے ماتحت ایک

وادیٔ غیر ذی زرع

میں بویا اور لگایا [illegible] تھا۔ تفصیل اس نظام کی میرے مکرم دوست چوہدری محمد احمد صاحب۔ کارکن نظارت تعلیم و تربیت نے الحکم کے جوبلی نمبر میں شائع کرا دی ہے۔ جو تفصیلی معلومات اور تاریخ سلسلہ کے ایک سنہری ورق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

ڈاک خانہ اور تار گھر

قادیان کے ڈاک خانہ کا ذکر پہلے حصہ مضمون میں آچکا ہے۔ اس ادنیٰ سی حالت سے ترقی کرتے کرتے قادیان کے ڈاک خانہ کی یہ حالت ہے۔ کہ جہاں چھ روپیہ ماہوار کا ایک برانچ پوسٹ ماسٹر کام کرتا تھا۔ آج اس ڈاک خانہ کے دفتر کا صرف کرایہ ہی اس کی تنخواہ

سے پانچ گنا یعنی تیس روپیہ ماہوار۔ اور عملہ میں بڑے چھوٹے سولہ آدمی کام پر متعین ہیں۔ جو آٹھ نو گھنٹے روزانہ کام کرتے ہیں۔ اور قریباً بارہ سو روپیہ ماہوار ٹیلیفون کو ملا کر عملہ کی تنخواہوں پر خرچ ہے۔ اس سے ڈاک خانہ کی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کتنے خطوط کتنے پیکٹ۔ اخبار۔ رجسٹریاں بیمے اور منی آرڈر روزانہ آتے جاتے ہیں۔ ان کا حساب شمار و قطار سے باہر اور بالا ہے۔

تار۔ بجلی اور فون

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ کیونکہ مجھے اکثر ان خدمات کی سعادت میسر آیا کرتی تھی۔ کہ تاروں کے آنے اور جانے میں کن مشکلات کا سامنا ہوا کرتا تھا۔ اکثر ایسا ہو جایا کرتا۔ کہ کسی تشریف لانے والے مہمان نے آنے کی اطلاع میں تار دیا۔ مہمان پہلے آن پہنچے۔ اور تار بعد میں ملتا۔ بعض ایسے معاملات جن کا جواب بذریعہ تار مطلوب ہوتا۔ خاص آدمیوں کو اس غرض کے لئے بٹالہ میں جا کر دو دو دن تک رہنا پڑتا تھا۔ اور کئی اہم کاموں بلکہ جانوں کا بھی اس کمی کی وجہ سے (وقت پر دوائی یا طبی امداد نہ پہنچ سکنے کے باعث) نقصان برداشت کرنا پڑا کرتا۔ دوست بیٹ فی اور محل یا ٹیرا ادا کر کے بھی اس زمانہ میں تار کے فوائد سے اکثر محروم رہ جایا کرتے تھے۔ سیدنا امیر المومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی کے حکم اور ہدایات کے ماتحت کئی سال کی کوششوں کے بعد جا کر محکمہ تار کے افسروں نے اس شرط پر تار کے انتظام کو منظور کیا۔ کہ قریباً

دو ہزار روپیہ نقد بطور ضمانت

پیشگی جمع کرایا جائے۔ تا کہ اگر قادیان کا تار گھر نقصان میں رہے تو اس زر ضمانت سے اس کی تلافی کی جا سکے۔ اتنی لمبی کوششوں اور کڑی شرائط کے بعد جا کر اس عہد سعادت مہد میں تار گھر کھل سکا۔ اور تجربہ کے بعد افسروں کو افسوس ہوا۔ کہ کیوں نہ کئی سال پہلے قادیان میں تار گھر کھول کر فائدہ اٹھایا گیا۔ تاروں کا یہ حال ہے۔ کہ ایک عید ہی کے روز میں نے آنے والے تاروں کا نمبر دیکھا تھا۔ جو پچاس سے بھی اوپر تھا۔ جلسہ۔ مشاورت اور دوسری تقاریب پر یہ تعداد اس سے بھی بڑھ جاتی ہو گی۔ اور یہ تاریں نہ صرف ہندوستان ہی سے آتی ہیں۔ بلکہ دنیا کے کناروں اور دور دراز کے تمام ملکوں سے آتی اور اسی طرح جاتی رہتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس

دورِ خلافت ثانیہ

میں قادیان ساری دنیا اور ساری مخلوق کے لئے ایک مرکز بن چکا ہے۔

اس کامیابی کو دیکھکر اور ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے خدا تعالےٰ نے بجلی والوں کے دل میں تحریک کی۔ وہ بجلی لائے اور اپنی کامیابی پر خوش ہیں۔ کیونکہ خدا کے مسیح کی یہ مقدس بستی خدا کی نعمتوں کی قدر کرنے اور بطور شکر گذاری اُن سے فائدہ اُٹھانے میں بڑے بڑے شہروں سے بھی پیش پیش ہے بجلی کے آنے اور کامیاب ہو جانے پر آخر ٹیلیفون بھی جاری ہو گیا۔ اور اس کا تعلق بھی خدا کے فضل سے تار اور ڈاک کی طرح ساری دنیا اور ساری ہی مخلوق سے ہو گیا۔

کارخانے مشینیں اور فیکٹریاں

تو دور کنار۔ کسی مسافر پردیسی کو سیر بھر آٹے کی ضرورت ہوتی۔ تو محال ہوتا۔ کیونکہ ضروریات زندگی کی خرید و فروخت کے ذرائع ہی مفقود تھے۔ چکی اس زمانہ میں گھروں کی زینت اور زیور شمار ہوا کرتی تھی۔ آدھی رات پچھلے ہر گھر سے گھر گھر کی میٹھی اور سہاؤنی لوری کے ساتھ کچھ گنگنانے اور گانے کی سریلی آوازیں

کتنی شیریں اور بھلی معلوم دیا کرتی تھیں۔ خانہ داری کے دوسرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کاموں کے ساتھ تمام گھرانے کی ضرورت کے مطابق آٹے کی سپلائی بھی عورت کے فرائض میں شامل تھی۔ یا تو وہ زمانہ تھا۔ یا آج یہ دن آئے۔ کہ

آٹا پیسنے کی سات مشینیں

قادیان میں چلتی ہیں۔

برف اور سوڈا اور پان وغیرہ خاندانی ضرورت اور مہمانوں کی خدمت کے لئے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً لاہور سے منگایا کرتے۔ جس کے لئے محترم شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر بمبئی ہاؤس اکثر انتظام فرمایا کرتے تھے مجھے خوب یاد ہے۔ کہ برف اور سوڈا واٹر کے لئے شیخ صاحب مرحوم نے الگ الگ بکس بنوا رکھے تھے۔ جن میں ای پلومر کا سوڈا اور جنجر کبھی کیسری کا لیمن روز وغیرہ بٹالہ تک بذریعہ ریل اور بٹالہ سے قادیان ریڑو۔ یکہ یا بہلی۔ رتھ کے ذریعہ آیا کرتے صبح کی چلی ہوئی برف شام کو اور شام کی چلی ہوئی نو دس بجے دن کے قادیان پہنچتی۔ جو بمشکل نصف یا اس سے بھی کم رہ جایا کرتی تھی۔ سوڈا لیمن وغیرہ کی بوتلیں پھٹ کر ٹوٹ جایا کرتیں۔ کچھ گرمی کی شدت سے تو کچھ ریڑو یکوں کے دھکوں سے۔

ایک زمانہ میں محترم سید عزیز الرحمٰن صاحب نے بھی برف وغیرہ منگانے کا انتظام کیا تھا۔ مگر نقصان کی برداشت نہ کر سکے۔ ۔ ۔ ۔ آخر اس تجارت ۔ ۔ ۔ کو


ضروری تصحیح

الحکم جوبلی نمبر صفحہ ۴۲ کالم ۲ سطر تیسری "منتقل ہو گئے تھے" پر پہلا پیرا ختم ہو کر دوسرا پیرا یوں شروع ہونا چاہیئے تھا۔ کہ:۔

"حضرت مولانا مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ۱۳ر مارچ بعد نماز عصر" وغیرہ

یہ سہو کتابت کی وجہ سے جدا نہ ہو سکا۔ اور جلی الفاظ رہ گئے وغیرہ جس سے ایک روایتی غلطی پیدا ہوتی ہے۔ مہربانی سے درست کر لیا جائے۔ (ایڈیٹر)

چھوڑ دیا۔ راقم الحروف ۔ ۔ ۔ عبدالرحمٰن قادیانی بھی متواتر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کئی سال تک لاہور سے ای پلومر کا سوڈا۔ جنجر اور کیسری کا روز لیمن منگا کر عموماً چار آنہ فی بوتل تک فروخت کرتا رہا۔ برف بھی منگائی جاتی رہی۔ مگر اب تو اللہ کریم نے آسانیاں کر دیں۔ ریل کے آجانے سے ہر قسم کی ضروریات کی فراہمی میں سہولت پیدا ہو گئی ہے۔

اٹھارہ مشینیں چھوٹی بڑی

سوڈا واٹر کی سیزن میں کام کرتی ہیں۔ تیس۔ چالیس بلکہ پچاس پچاس من پختہ روزانہ برف۔ بٹالہ۔ امرتسر اور لاہور جالندھر وغیرہ سے آتی اور بہت سستے داموں فروخت ہوا کرتی ہے۔ جو کبھی شدت گرما اور قلت جنس کی وجہ سے آٹھ آنہ فی سیر تک بھی ملنی مشکل ہو جایا کرتی تھی۔ کیونکہ مشکلات خرچ اور نقصان زیادہ ہوتا تھا۔ اور بکری کم۔

رام گڑھیا سکھ حملہ آوروں نے وحشت اور درندگی کے جوش میں جہاں عالی شان عمارات و مساجد کو کھنڈروں میں تبدیل کیا۔ کتب مقدسہ اور نہایت قیمتی علمی خزائن کو نذر آتش کیا۔ وہاں نہایت خوبصورت باغات اور ثمر دار اشجار کو بھی کاٹ کر تہس نہس کر دیا تھا۔ مگر خدا کے قادر و توانا نے اس دورِ جدید میں جہاں پہلے کی نسبت بہت زیادہ وسیع۔ فراخ۔ اور شاندار عمارات عطا کیں)۔ عالیشان اور بڑی بڑی مساجد

دیگر ان کی آبادی و معموریت کے سامان پیدا کئے۔ کتب مقدسہ کی اتنی کثرت مہیا فرما دی۔ کہ دنیا جہان کو یہیں سے ملنے لگیں۔ اور بے نظیر لائبریریاں مرحمت فرمائیں۔ وہاں باغات کے لئے بھی بہت وسیع سامان پیدا کر دیئے۔ اور قبل اس کے کہ یہ نئے باغات پھل لائیں۔ دنیا جہان کے بہترین پھلوں کی فراہمی کے سامان کر دیئے۔ یاتیک من کل فج عمیق وعدہ الٰہی کے مطابق نہ صرف ہندوستان بھر کے دور و نزدیک مقامات سے بہترین اثمار کے بطور تحائف قادیان پہنچانے کی تحریک مخلصین کے دلوں میں پیدا کر دی بلکہ ہندوستان کے علاوہ دور دراز ممالک سے بھی تحائف اور پھل وغیرہ ہمیشہ ٹوکروں کے ٹوکرے آیا کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہم لوگ الٰہی وعدوں کو نت نئے رنگ میں پورا ہوتے دیکھا کرتے تھے الغرض جو کچھ بھی بعض باریک در باریک مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت اللہ کریم نے اس خاندان سے لیا۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خاندان اور نواب و خلفاء کو مرحمت فرما دیا۔ اور اس طرح آج یہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے بعد جہاں دنیا جہان کی ہدایت و روحانیت کا مرکز بنی اور ہر حصہ دنیا سے لوگ کھچے آنے لگے۔ وہاں

یُجْبیٰ اِلَیْہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْئٍ

کا منظر بھی ہم لوگوں نے آنکھوں دیکھا۔ دیکھتے ہیں) اور انشاء اللہ آنے والی نسلیں اور بھی زیادہ شان میں ان آیات الٰہیہ کا معائنہ کریں گی۔

ان کے علاوہ ستارہ ہوزری فیکٹری۔ گلاس فیکٹری۔ دار الصناعت۔ سپک ورکس اور تین آرہ مشینیں قادیان میں کامیابی سے چل رہی ہیں۔ اور چھ سات بھٹے اینٹ تیار کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

پریس کی مضبوطی و خوبی

کا سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاص طور سے خیال ہوا کرتا تھا۔ حضور کی بڑی خواہش یہ ہوا کرتی تھی۔ کہ اچھے سے اچھا کاتب ملے۔ صحیح اور بہترین لکھائی اور خوبصورت چھپائی ہو۔ کتابیں جس طرح اعلیٰ علمی اور روحانی مضامین سے مزین اور ہدایت و نور سے معمور ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان کی ظاہری شکل و صورت بھی دیدہ زیب۔ دل کش اور جاذب نظر ہو۔ تا کہ نازک طبائع اسکی ظاہری شکل ہی کی وجہ سے اُن کے فیوض و برکات سے محروم نہ رہ جائیں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضور نے اپنا ایک

پریس ضیاء الاسلام نام

جاری فرمایا تھا۔ جو خدا کے فضل سے کسی نہ کسی رنگ میں اب تک قائم اور سلامت ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض پریس جاری ہوئے۔ انوار الاسلام پریس۔ بدر پریس۔ الہ بخش الیکٹرک پریس اور فیض اللہ الیکٹرک پریس جن میں کئی کئی مشینیں چھپائی اور طباعت کا کام کرتی ہیں۔ خدا کرے کہ سیدنا حضرت اقدس کا قائم کردہ ضیاء الاسلام پریس بھی افسروں کی توجہات کا مرکز ہو کر

بامِ اوج و ترقی کو پہنچے

اور حضور پُر نور کی خواہش کو صحیح معنوں میں پورا کر سکے! اردو بھی چھاپے اور انگریزی بھی۔ ہندی بھی چھاپے اور سندھی بھی۔ الغرض دنیا جہان کی زبانوں میں احمدیہ لٹریچر کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ بن کر ضیاء اسلام کو پھیلانے کا موجب بنے۔ آمین +

کھوئی ہوئی جائیداد کی واپسی

بعض ناموافق حالات کے باعث پیچیدگیوں اور قانونی الجھنوں کے چکر میں پڑ کر حضور پر نور کی بقیہ تھوڑی سی جائداد کا بھی ایک معتد بہ حصہ نکل کر ایک دوسری شاخ میں چلا گیا تھا۔ حسباً حضور کی کوشش اور اخراجات کثیرہ کی ذمہ داری کے اس کی واپسی کی کوئی صورت پیدا ہو سکی۔ بلکہ کئی مخالف شرکاء کی گرفت سخت ہوتی چلی گئی۔ قول ربی کل یوم ھو فی شان۔ ناکامیوں اور مایوسیوں کا زمانہ فضل و برکت اور فتح و کشائش سے تبدیل ہو گیا۔ سینکڑوں کے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ سیدنا حضرت امیر المومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے بنصرہ العزیز کے زمانہ سعادت عہد میں آپ ہی آپ کچھ ایسے سامان پیدا ہو گئے۔ کہ وہ ساری کھوئی ہوئی جائداد اپنے اصلی مالکوں کی طرف لوٹ آئی۔ اور حق بحق دار رسید کا معاملہ اپنی پوری شان سے ظاہر ہو گیا۔ نہ صرف یہی بلکہ اب تو خدا کی رحمت کی بارش اور برکات کی کثرت ابر بہار بلکہ نسیم صبا کی طرح کچھ ایسی چلی ہے۔ کہ آس پاس کے کم و بیش پچاس دیہات میں حقوق ملکیت اس مقدس خاندان کو حاصل ہو چکے ہیں۔ اور قادیان کی کل اراضی کے قریب قریب رقبہ جات اللہ تعالے نے اور عطا فرما کر ان کی جاہ و حشمت اور دولت و ثروت میں اضافہ فرما کر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کے ایک پہلو کی قبولیت کی جھلک دکھا دی۔ اور اس طرح خدائی وعدے جسمانی و روحانی رنگ میں دینی ترقیات۔ مقاصد عالیہ اور سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائم کردہ اصولوں کی فتح کی شکل میں نہایت شان اور عظمت سے پورے ہو رہے ہیں۔ مالی و دنیوی برکات میں بھی اللہ تعالے کے فضل سے روز افزوں ترقی ہے۔ اور وہ بھی حقیقۃً سلسلہ اور احمدیت ہی کی برتری و ترقی کی خادم و غلام ہے۔ یہ اور ایسی ہی اور تمام قسم کی ترقیات اللہ تعالے کے فضل سے اس زمانہ کی فتوحات ہیں۔ جس کو

زمانہ خلافت ثانیہ

کہتے اور سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود کی موجودگی پر صد ناز اور بے انداز فخر ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور مشیت نے نبوت کو خلافت میں تبدیل فرما کر اپنا رنگ چڑھا دیا۔ اور جوں جوں ہم تکمیل بڑھتے جائیں گے۔ ایثار و قربانی کے مجاہدات میں ترقی کرتے جائیں گے۔ خدا تعالے بھی اپنے وعدہ کے مطابق ضرور ضرور نسلوں کو بڑھاتے اور ہمیں روحانی جسمانی ترقیات سے متمتع فرماتے ہی جائیں گے۔

دورِ مخالفت و مظالم

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے مہمان اور خادم غلاموں کو نہ صرف حضور کے شرکاء ہی ستاتے۔ دکھ دیتے اور اذیت پہنچایا کرتے تھے۔ بلکہ رعیت اور کمیں کہلانے والے لوگ بھی اُن کی شہ یا انگیخت پر اتنے دلیر اور سینہ زور ہو رہے تھے۔ کہ کسی قسم کے ظلم و تعدی اور جفا سے اُن کو دریغ نہ تھا۔ غرض خدا تعالے کے اولوالعزم انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح حضور کو بھی اپنے اور بیگانوں۔ مولوی اور مسلمانوں مسلم اور غیر مسلم۔ کیا چھوٹے اور کیا بڑے۔ امیر کیا غریب۔ پیر کیا فقیر اور صوفی کیا مشائخ۔ سبھی نے فرداً فرداً بھی اور مل مل کر بھی دکھ دیا۔ اذیت پہنچائی اور ستایا۔ مخالفت کی عداوت و بغض میں اتنے بڑھے۔ کہ جائز و ناجائز کا بھی امتیاز نہ کیا۔ اور جس طرح خدا کا یہ نبی و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام گذشتہ انبیاء کے صفات و کمالات کا حامل تھا۔ اسی طرح اس زمانہ کے دشمن بھی گذشتہ تمام ہی مکذبین و منکرین کے مظہر اتم اور قائم مقام ثابت ہوئے۔ کوئی طریقہ مخالفت کا۔ کوئی ذریعہ ایذا رسانی کا۔ کوئی حیلہ عداوت کا۔ اور کوئی راہ نقصان رسانی کی انہوں نے باقی نہ چھوڑی۔ یہ سب کچھ ہوا۔ تا خدا کے مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُن اخلاق کاملہ کا اظہار ہو۔ جن کا تعلق ایسے مشکلات و مصائب اور مخالفت و آلام کے زمانہ سے ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آپ نے وہ زمانہ نہ صرف یہ کہ خود ہی پورے صبر و شکر۔ عزم و استقلال سے بسر فرمایا۔ بلکہ اپنے خدام اور غلاموں کو بھی ہمیشہ تحمل و بردباری۔ اور انکسار و خاکساری کے ساتھ پوری شکر گذاری اور اعلےٰ اخلاق دکھانے کی نصیحت فرمایا کرتے۔

آخر خدا اور خدا کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فتح ہوئی حالات نے پلٹا کھایا۔ مقدمہ دیوار کی حقیقت کھلی۔ اور

دیوار گرانے کا فیصلہ

اور ڈگری مع خرچہ ہو گئی۔ مگر خلق مسیحائی دیکھیے۔ کہ مدیون کو خرچہ کی ادائیگی کے قابل نہ پا کر لطف فرمایا۔ اور کرم فرماتے ہوئے معاف فرما دیا۔

غریب احمدیوں کے گھروں پر حملہ کر کے چڑھ آنے والے دشمن جب قانونی شکنجہ میں جکڑے گئے۔ تکبر و خودسری کا نشہ اترا تو ہوش آ گیا۔ نادم و شرمندہ ہوئے۔ اور گلے میں رسی ڈال کر دربار نبوت میں عفو و درگذر کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور نے رحم فرمایا۔ اور لا تثریب کا نقشہ پھر دنیا کو دکھا دیا۔

بعض معاند جو ڈھاب سے مٹی کی ٹوکری لینے کے جرم میں اکثر احمدیوں کی ٹوکری کہیاں چھین لے جایا کرتے۔ کھلے کھیتوں میں رفع حاجت کرنے والوں کو غلاظت اٹھانے پہ مجبور کیا کرتے تھے۔

خدا کی طاعونی گرفت

کا شکار ہوئے۔ تو اُن کو سمجھ آئی۔ کہ یہ عذاب الٰہی ہمارے اعمال بد کا نتیجہ ہے۔ تو خدا کے گھر کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ **لاچھا** نامی براہمن جو شرارت کی جڑھ اور شریروں کا ایک سرغنہ تھا طاعون میں مبتلا ہونے کے بعد مسجد اقصےٰ کے دروازہ پر پہنچا۔ مسجد کی سیڑھیوں پہ سجدہ کر کے پکارنے لگا۔

"ناتا کر پا کریں بھولا۔ پھر کبھی تیرے مولویوں کو دکھ نہیں دوں گا"

مگر خدا نے الآن وقد عصیت من قبل فرماتے ہوئے اسے مہلت نہ دی۔ اور اٹھا ہی لیا۔ وہ اخبار شبھ چنتک اور اس کا عملہ جس نے خدا کی مقدس و محبوب ہستیوں کی توہین و تذلیل اور گالی گلوچ کی نجاست بکھیرنا اپنا فرض مقرر کر لیا تھا۔ خدا کو پسند نہ آیا۔ اس نے حضرت اقدس کے دل میں درد پیدا کیا۔ جس کے نتیجہ میں حضور نے

"قادیان کے آریہ اور ہم"

کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ خدا نے اس کے محرکوں کو جس رنگ میں اٹھا کر جوابدہی کے لئے اپنے حضور بلا لیا۔ وہ واقعات نہایت ہی عبرتناک ہیں۔ وہ بدزبان **مینگھو** جس کا گھر مسجد اقصےٰ کے متصل اور چھت صحن کے برابر تھی۔ کبھی کوئی نووارد مہمان بھولے سے لاعلمی میں اسے صحن مسجد کا حصہ سمجھ کر کبھی چھت پر چلا جاتا تو وہ بیگھو گھنٹوں نہ صرف اس شخص کو ستاتا رہتا۔ بلکہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے سارے خاندان کو نہایت ہی نازیبا الفاظ گندی گالیاں اور بددعائیں دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جلسہ کے موقعہ پر جب کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی دور و نزدیک کے کئی سو اصحاب کے ساتھ مسجد اقصےٰ میں موجود تھے۔ اس نے اپنی گندی فطرت اور بدزبانی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ الاماں الحفیظ۔ مگر انجام کیا ہوا؟ اور پھل کیا پایا؟ خدا کی پناہ!

القصہ ایسے عبرتناک واقعات اس کثرت سے تاریخ سلسلہ میں موجود ہیں۔ کہ تفاصیل تو در کنار گنتی ہی ان کی کئی جزو میں سما سکے۔ اور اب تو اللہ تعالے نے ان ظالموں کی ایسی کچھ مت پلیٹ دی۔ اور اتنا تغیر پیدا کیا۔ کہ لیٹے اب وہ لوگ مظالم کی جھوٹی داستانیں گھڑ گھڑ کر پروپیگنڈا کرنے لگے۔ اور اُن کا یہ فعل گویا ایک اقبال اور ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالے نے اس سلسلہ کو غیر معمولی اور خارق عادت ترقیاں عطا کیں۔ خدا نے حق میں وہ قوت رکھی ہے۔ کہ کسی نہ کسی رنگ میں منکروں سے بھی اپنی صداقت و برتری کا اقرار کرا لیتا ہے۔ اور اگر ان واقعات کو سلسلہ کی ابتدائی تاریخ و حالات۔ کمزوریوں اور بے سروسامانیوں کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ روکوں۔ مخالفتوں اور مشکلات کے پہاڑوں کا تصور کیا جائے۔ پھر ایسے حالات اور وقتوں کے پہلے سے شائع شدہ

خدائی وعدوں

کو سامنے رکھا جائے۔ تو ایک

زندہ۔ لذیذ اور تازہ ایمان

خدا کی ذات اور صفات پر پیدا ہو جاتا ہے ؎

پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

الغرض اللہ کریم نے اپنے لا انتہا فضلوں اور بے پایاں رحمتوں سے ہر پہلو ہر لحاظ ہر نوع اور ہر رنگ میں اس سلسلہ کو کزرع اخرج شطأہ الخ کے مطابق اس طرح بڑھایا۔ کہ کئی سال ہوئے کہ اس

"تناور درخت"

کی ترقیات کے خیال ہی نے . . . . زمیندار کی مجاہدوں کو حیرت زدہ بنا دیا تھا۔ آج تو معلوم اس کا کیا حال ہو! کئی طوفان اٹھے۔ کئی آندھیاں اور طوفان بپا ہوئے۔ کہ وہ احمدیت کو مٹا دیں گے۔ قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ مگر ہر کسی کو حسرت و یاس اور نامرادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا ؎

انہیں ماتم ہمارے گھر میں شادی

فسبحان الذی اخزی الاعادی

خریداران الحکم نوٹ فرمالیں

ہمارا ہمیشہ سے یہ طریق چلا آتا ہے کہ سال کے بعد ایک ہفتہ کی تعطیل کر کے اخبار کا پرچہ ۱۴ جنوری کو شائع کیا کرتے ہیں۔ مگر اس دفعہ ۱۴ تاریخ کی بجائے ۱۴ اور ۲۱ جنوری کا مشترکہ پرچہ شائع کر رہا ہوں۔ بہت سے احباب جو اخبار الحکم کی اس قسم کی غلطیوں کو پکڑنے کے لئے سرگرم رہا کرتے ہیں۔ ان کی تسلی کے لئے لکھ رہا ہوں۔ کہ پہلے حسب معمول ۸ صفحے کا پرچہ شائع کرنے کا خیال تھا۔ مگر جب

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

کا یہ معرکۃ الآراء مضمون آیا۔ جو انشاء اللہ ہر پڑھنے والے کو سیراب کر دے گا۔ تو میں نے اس مضمون کی خاطر یہ پسند کیا۔ کہ اس ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کی قیمت کو ضائع نہ کروں۔ بلکہ یکجا شائع کر دوں۔ اس لئے دو ہفتے میں بجائے سولہ صفحے کے ۲۰ صفحے کا اخبار اس قیمتی اور تاریخی مضمون کو قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچانے کے لئے دے رہا ہوں۔ اس لئے احباب نوٹ کر لیں۔ کہ یہ پرچہ دو ہفتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ۱۶ صفحے کی بجائے ۲۰ صفحے ہیں۔

(محمود احمد عرفانی)